حزب التحرير

15 جمادی الاول 1431ھ

الموافق 19 اپریل 2010ء

عربی کتاب کا اردو ترجمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَلتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

"اور تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو بھلائی (یعنی اسلام) کی طرف دعوت دے۔ اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے۔ اور در حقیقت یہی لوگ کامیاب ہیں۔"

(آل عمران:104)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

1)حزب التحریر:

حزب التحریر ایک ایسی جماعت ہے جس کی بنیاد اسلام ہے۔ سیاست اس کا کام ہے اور اسلام اس کی اساس ہے۔ یہ امت کے اندر اور امت کے ساتھ مل کر کام کرتی ہے تا کہ امت اسلام کو اپنا مسئلہ سمجھے اور حزب التحریر خلافت کو دوبارہ قائم کرنے اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کو نافذ کرنے کے لیے امت کی رہنمائی کرے۔

حزب التحریر کوئی روحانی، علمی، تعلیمی یا خیراتی جماعت نہیں، بلکہ یہ ایک سیاسی جماعت ہے اور اسلامی فکر ہی اس کے جسم کی روح ہے۔ یہی اس کا نقطۂ آغاز ہے اور یہی اس کی زندگی کا راز ہے

2)حزب التحریر کے قیام کے اسباب:

حزب التحریر کا قیام اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کی بنا پر تھا:

﴿وَلتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأمُرُوْنَ بِالمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾(آل عمران:104)

"اور تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو بھلائی (یعنی اسلام) کی طرف دعوت دے۔ اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے۔ اور در حقیقت یہی لوگ کامیاب ہیں۔"

تاکہ امت کو پستی کے اس گڑھے سے باہر نکالا جاسکے، جس میں وہ گر چکی ہے۔ نیز اسے کفریہ افکار، کفریہ نظاموں اور کفریہ احکامات سے، اور کافر حکومتوں کے تسلط واثر ورسوخ سے آزاد کرایاجاسکے۔ تاکہ یہ امت خلافتِ اسلامیہ کو دوبارہ قائم کرکے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق حکومت کرے۔

سیاسی جماعتوں کا قیام شرعاً فرض ہے:

اول: حزب التحریر کا قیام اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے کیا گیا کہ: ﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ ﴾ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان میں ایک ایسی منظم جماعت ضرور ہونی چاہیے جو درجِ ذیل دو کام کرے:

اول: خیر یعنی اسلام کی طرف دعوت دینے کا کام۔

دوم: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔

بظاہر یہاں ایک منظم جماعت بنانے کا صرف حکم ہے لیکن یہاں ایک ایسا قرینہ پایا جاتا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم ایک حتمی حکم (یعنی فرض) ہے۔ اس آیت نے جو کام متعیّن کیا وہ اسلام کی طرف دعوت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے، اور یہ کام مسلمانوں پر فرض ہے۔ جیسا کہ بہت ساری آیات اور احادیث میں وارد ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

(وَالَّذِیْ نَفسِیْ بِیَدِہٖ لَتأمُرُنَّ بِالمَعْرُوْفِ وَلَتَنْھَوُنَّ عَنِ الْمُنْکَرِ اَولِیُوشَکَنَّ اللّٰہُ اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عِقَابًامِّنْ عِنْدِہٖ ثُمَّ لَتَدْعُنَّہٗ وَلَایُسْتَجَابُ لَکُمْ)

"اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم ضرورامر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل کر دے۔ پھر تم اسے پکارو لیکن تمہاری پکار سنی نہ جائے"۔ (رواہ احمد)

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ یہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم حتمی ہے، یعنی یہ حکم فرض ہے۔

جہاں تک اس منظم جماعت کے سیاسی ہونے کا تعلق ہے، تو اس آیت میں مسلمانوں سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اندر ایک ایسی منظم جماعت قائم کریں جس کا کام اسلام کی طرف دعوت، اور امر بالمعروفو نہی عن المنکر ہو۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا یہ عمل حکمرانوں کو نیکی کا حکم دینے اور انہیں برائی سے منع کرنے پر بھی مشتمل ہے، بلکہ حکام کا یہ محاسبہ اور ان کو نصیحت کرنا ہی دراصل سب سے بڑا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ یہ ایک سیاسی عمل ہے، بلکہ سب سے بڑا سیاسی کام ہے اور یہ سیاسی جماعتوں کے اہم ترین کاموں میں سے ایک ہے۔ چنانچہ یہ آیت سیاسی جماعتوں کے قیام کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن اس آیت نے اس بات کی تحدید کر دی کہ یہ جماعتیں اسلامی ہوں، کیونکہ ان کا کام اسلام کی طرف دعوت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، اور یہ کام صرف اسلامی جماعتیں ہی کر سکتی ہیں۔

اسلامی جماعت وہ جماعت ہوتی ہے جو اسلامی عقیدے پر قائم ہو اور جو اسلامی افکار، احکام اور (مسائل کا) اسلامی حل اختیار کرتی ہو۔ نیز اس کا طریقہ کار (منہج) بھی رسول اللہ ﷺ کا طریقہ کار ہو۔ لہٰذا مسلمانوں میں غیر اسلامی بنیاد اور غیر اسلامی فکر و طریقہ پر کسی جماعت کا ہونا جائز نہیں، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

اور یہ اس لیے بھی ہے کہ صرف اسلام ہی اس کائنات میں صحیح ترین مبدأ اور فطرتِ انسانی کے موافق عالمگیر نظریہ ہے۔ جو انسان کے ساتھ بحیثیتِ انسان معاملہ کرتا ہے اور نہ صرف اس کی جسمانی، عضویاتی اور فطری ضرورتوں کو پورا کرتا ہے بلکہ انہیں صحیح طور پر منظم بھی کرتا ہے۔ اسلام انہیں نہ تو بالکل کھلا چھوڑ دیتا ہے اور نہ ہی بالکل ختم کرتا ہے، اور نہ ایک فطرت کو دوسری فطرت پر غالب کر دیتا ہے۔ یہ ایک ایسا جامع نظام ہے جو زندگی کے تمام امور کو منظم کرتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں پر لازم کیا ہے کہ وہ اسلام کے تمام احکامات پر کاربند رہیں۔ خواہ ان کا تعلق ان کے خالق سے ہو، مثلاً عقائد اور عبادات سے متعلق احکامات، یا ان کا تعلق ان کی اپنی ذات سے ہو، جیسے اخلاق، کھانے پینے، اور پہننے کے احکامات، یا پھر ان کے علاوہ دیگر احکامات ہوں، مثلاً معاملات، معاشرت وغیرہ سے متعلق احکامات۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر یہ بھی فرض کیا ہے کہ وہ زندگی کے تمام امور میں اسلام کو نافذ کریں اور اس کے مطابق فیصلہ کریں۔ ان کا دستور اور تمام قوانین کتاب وسنت سے ماخوذ شرعی احکامات ہوں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاحْكُمْ بَينَهُمْ بِمَآ اَنزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُم عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الْحَقِّ﴾

پس آپؐ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں، اور جو حق آپ ﷺ کے پاس آیا ہے، اس کے مقابلے میں ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔"

(المائدہ:48)

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآاَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْکَ عَنْ م بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْکَ﴾

"اور یہ کہ (آپؐ) ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ اور ان سے محتاط رہیں کہ کہیں یہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ بعض (احکامات) کے بارے میں آپؐ کو فتنے میں نہ ڈال دیں۔" (المائدہ:49)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ﴾

"اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے لوگ ہی کافر ہیں"

(المائدہ:44)

اسلام کے علاوہ دوسرے تمام نظام جیسے سرمایہ داریت اور کمیونزم، جس میں اشتراکیت بھی شامل ہے، باطل اور فطرتِ انسانی کے خلاف ہیں۔ کیونکہ یہ انسان کے وضع کردہ ہیں اور ان کا فساد اور عیب ظاہر ہو چکا ہے ۔ نیز یہ اسلام اور اس کے احکامات سے بھی متناقض ہیں۔ لہٰذا انہیں اختیار کرنا، ان کا حامل و علمبر دار بننا، ان کی طرف دعوت دینا اور ان کی بنیاد پر جماعت بنانا حرام ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کی جماعت صرف اسلامی عقیدہ، فکر اور طریقہ کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ اور سرمایہ داریت، کمیونزم یا اشتراکیت ،اسی طرح قومیت ،وطنیت ، گروہی یا جمہوری نظام کی بنیاد پر جماعت بنانا مسلمانوں پر حرام ہے۔ اسی طرح ان جماعتوں کی طرف نسبت کرنا یا ان کی ترویج کرنا بھی حرام ہے۔ کیونکہ یہ کفریہ جماعتیں ہیں، جو کفر کی طرف دعوت دیتی ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَالِاسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾

"اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے، تو اس کی طرف سے یہ ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور آخرت میں وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو گا۔" (آل عمران:85)

اور گزشتہ آیت میں ہے کہ: ﴿يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ﴾ "یعنی اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ)

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں 'تو وہ عمل مسترد ہے"۔(متفق علیہ)

اسلام نے فرقہ وارانہ جماعتوں اور ایسی جماعتوں کے قیام کو حرام قرار دیا ہے جو عصبیت کی طرف بلاتی ہوں، اور عصبیت کی بنیاد پر لڑنے کو گناہِ عظیم قرار دیا ہے۔ جندب بن عبد اللہ البجلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(من قتل تحت راية عمية يدعو عصبية او ينصر عصبية فقتلة جاہلية)

"جو عصبیت کے جھنڈے تلے لڑا، عصبیت کی طرف دعوت دی یا عصبیت کی مدد کی تو وہ جاہلیت کے لیے لڑا"(مسلم)

دوم: امت کو ذلت وپستی کے اس گڑھے سے نکال کر نشاۃِ ثانیہ دلانے کی کوشش کرنا، اور اسے کافرانہ افکار، کافرانہ نظاموں اور کافرانہ احکام، نیز کافر ممالک کے غلبے اور اثرورسوخ سے آزاد کرنا صرف اسی وقت ممکن ہے کہ جب اس کی فکر کی موجودہ پستی کو تبدیل کر کے اسے فکر کی بلندی تک پہنچا دیا جائے، اور اس فکر کو کلی طور پر تبدیل کر کے ان افکار کی جگہ اسلامی افکار وتصورات پیدا کیے جائیں۔ تاکہ زندگی میں اس کا چال چلن اسلامی افکار و احکامات کے مطابق ہو جائے۔ جس چیز نے امت کو ذلت ورسوائی کی اس انتہا تک پہنچایا، وہ اسلام کے فہم کی کمزوری اور اس کے احکامات کی ادائیگی میں کوتاہی ہے، جس کا مظاہرہ اس نے دوسری صدی ہجری سے لے کر اب تک کیا۔ اس پستی اور کھوٹ کی وجہ سے اس کے ذہن میں کئی باتیں سرایت کر گئیں، جن میں سے چند واضح امور یہ ہیں:

(1) ہندی، فارسی اور یونانی فلسفوں کو نقل کیا گیا، نیز اسلام اور ان فلسفوں کے درمیان مکمل تضاد کے باوجود بعض مسلمانوں کی طرف سے اسلام اور ان فلسفوں کو آپس میں ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی گئی۔

(2) اسلام سے بغض اور کینہ رکھنے والوں نے اسلام کو بدنام کرنے کے لیے اور مسلمانوں کو اس سے دور رکھنے کے لیے ایسے احکام وافکار اس میں داخل کیے، جو اسلام میں سے نہیں تھے۔

(3) اسلام کے فہم اور اس کے احکامات کی ادائیگی میں عربی زبان سے غفلت برتی گئی۔ اسے ساتویں صدی ہجری میں اسلام سے جدا کر دیا گیا۔ جبکہ اللہ کا دین اس کی زبان کے علاوہ کسی اور زبان کے ذریعے سمجھا ہی نہیں جاسکتا۔ اس طرح اجتہاد کے بغیر نئے حالات کے لیے نئے احکامات کا استنباط ممکن نہ رہا۔

(4) سترھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کو اسلام سے دور کرنے کے لیے کافر مغربی ممالک نے ان پر مشنری، ثقافتی اور سیاسی یلغار کے ذریعے کاری ضرب لگائی۔

مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے کئی کوششیں ہوئیں اور متعدد اسلامی و غیر اسلامی تحریکیں وجود میں آئیں۔ لیکن وہ سب کی سب ناکام ہوئیں۔ نہ تو مسلمانوں کو بیدار کر سکیں اور نہ ذلت ورسوائی کے راستے میں رکاوٹ بن سکیں۔ اسلام کے ذریعے مسلمانوں کو بیدار کرنے کی ان کوششوں اور تحریکوں کی ناکامی کا سبب کئی امور ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(1) مسلمانوں کو بیدار کرنے والوں کا اسلامی فکر کو باریک بینی سے نہ سمجھنا اور حالات سے متأثر ہونا، نیز وہ افکار اور احکام جن کے تعین اور نفاذ کے ذریعے وہ مسلمانوں کو بیدار اور ان کی مشکلات کو حل کرنا چاہتے تھے، یہ احکام وافکار خود ان کے ذہنوں میں واضح نہیں تھے۔ وہ اسلام کی دعوت بھی عمومی انداز میں دیتے تھے۔ انہوں نے موجودہ حالات کو ہی اپنی فکر کے لیے مصدر بنایا اور اسی کی بنیاد پر فکر کرتے رہے۔ نیز موجودہ حالات کا ساتھ دینے کے لیے اسلام کی ایسی تاویل اور تفسیر کی، جس کی نصوص اجازت نہیں دیتیں۔ بلکہ یہ تاویلیں اسلام سے متناقض تھی۔ چنانچہ انہوں نے حالات کو اس طرح سوچ بچار کا موضوع نہیں بنایا کہ ان کو اسلام اور اس کے احکامات کے مطابق تبدیل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے آزادی، جمہوریت، سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت کی بات کی۔ اور ان نظریات کے عملی طور پر اسلام سے ٹکراؤ کے باوجود انہیں اسلام سمجھتے رہے۔

(2) اسلامی فکر اور احکامات کے نفاذ کا طریقہ ان کے سامنے بالکل واضح نہیں تھا۔ انہوں نے اسلامی افکار کو جلد بازی اور مبہم طریقے سے لیا۔

وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ اسلام کا دوبارہ احیاء مساجد کی تعمیر، کتب کی اشاعت یا فلاحی سوسائیٹیوں کے قیام سے یا اخلاقی تربیت اور افراد کی اصلاح سے ہو سکتا ہے۔ وہ معاشرے کے فساد یا افکار واحکام اور نظاموں کے غلبے سے غافل تھے۔ وہ یہی گمان کرتے رہے کہ معاشرے کی اصلاح فرد کی اصلاح سے ہو سکتی ہے۔ حالانکہ معاشرے کی اصلاح صرف اس کے افکار، احساسات اور نظاموں کی اصلاح سے ممکن ہے اور افراد کی اصلاح معاشرے کی اصلاح ہی سے ممکن ہے۔

کیونکہ معاشرہ صرف افراد کا مجموعہ نہیں، بلکہ معاشرہ افراد اور تعلقات کا مجموعہ ہے۔ یعنی افراد، افکار، احساسات اور نظام کا۔ اور جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے جاہلی معاشرے کو اسلامی معاشرے میں تبدیل کرنے کے لیے کام کیا۔ آپؐ نے معاشرے میں موجود عقائد کو اسلامی عقیدے میں تبدیل کیااور جاہلی افکار و تصورات اور عادات کو اسلامی افکار و تصورات او راحکامات سے بدل دیا۔ اور اس طرح آپؐ نے لوگوں کے احساسات کا تعلق جاہلیت کے افکار وعقائد اور رسوم ورواج سے توڑ کر اسلامی عقیدے اوراسلامی افکار واحکام سے جوڑا، اور یوں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مدینہ کا معاشرہ بدلنے کا شرف بخشا۔ او راہلِ مدینہ کی اکثریت اسلامی عقیدے کے ساتھ منسلک ہو گئی اور اس نے اسلامی افکار و نظریات اور احکامات کو اپنالیا۔ اسی وقت رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ نے بیعتِ عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کی اور ان پر اسلامی احکامات کو نافذ کیا۔ یوں مدینہ میں اسلامی معاشرہ قائم ہوا۔

کچھ لوگوں نے سمجھا کہ مادی اعمال سے اسلام کا دوبارہ احیاء ہو سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے لیے ہتھیار اٹھائے، لیکن انہوں نے دارالکفر اور دارالاسلام میں بھی فرق نہیں کیا۔ وہ یہ بھی نہ سمجھ سکے کہ دعوت کی کیفیت کیا ہونی چاہیے؟ اور دونوں دیار (دارالکفر اور دارالاسلام) میں دعوت کے دوران کیا معاملہ ہو گا؟ چنانچہ یہ "دار" کہ جس میں آج ہم بستے ہیں، یہ دارالکفر ہے۔ کیونکہ یہاں کفریہ احکام نافذ ہیں۔ اور یہ بالکل اسی طرح ہے، جس طرح کہ بعثت کے وقت مکہ کی حالت تھی۔ لہٰذا یہاں دعوت کا طریقۂ کار بھی وہی ہو گا، یعنی دعوت وسیاست، نہ کہ مادی اعمال۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں دعوت دی اور صرف دعوت پر اکتفاء

کیااور کوئی مادی عمل اور مادی طریقہ اختیار نہیں کیا۔ کیونکہ مقصد محض ان حکمرانوں کو ہٹانا نہیں، جو اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق حکومت نہیں کرتے، بلکہ مقصد دارالکفر کو اس کے افکار اور نظاموں کے ساتھ تبدیل کرنا ہے۔ اور اس کی تبدیلی افکار، احساسات اور نظاموں کی تبدیلی سے ہو گی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں کیا۔ اور جہاں تک ایسے دارالاسلام کا تعلق ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق نظام چل رہا ہو، لیکن اس کا حکمران کھڑے ہو کر صریح کفر کا نظام چلانے لگے، تو تب اس کی مخالفت کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ وہ اس کا محاسبہ کریں تاکہ دوبارہ وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے۔ اور اگر وہ رجوع نہ کرے تو اس کے خلاف اسلحہ اٹھانا فرض ہے، تاکہ اسے مجبور کیا جاسکے کہ وہ اللہ کے نازل کردہ احکامات کو دوبارہ نافذ کرے، جیسا کہ عبادہ بن الصامتؓ سے مروی حدیث میں ہے:

(وَاَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ أَهْلَهُ اِلَّا أَنْ تَرَوْاكُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِّنَ اللهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ)

"اور اس بات پر (ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی) کہ ہم اہلِ امر (یعنی حکمرانوں) کے ساتھ جھگڑا نہیں کریں گے، جب تک کہ وہ صریح کفر کا ارتکاب نہ کریں۔ جس کی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح دلیل موجود ہو"۔ (بخاری)

اور عوف بن مالکؓ کی وہ حدیث، جسے مسلم نے روایت کیا ہے:

(قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! اَفلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ؟ فَقَالَ: لَا۔ مَاأَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلَاةَ)

"کہا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم انہیں بزورِ شمشیر نکال باہر نہ پھینکیں؟ فرمایا: نہیں، جب تک کہ وہ تمہارے درمیان نماز قائم کرتے رہیں"۔

اور نماز کو قائم کرنا اسلام کے مطابق حکومت کرنے سے کنایہ ہے۔ یہ دونوں احادیث ہمیں دار الاسلام میں حاکمِ وقت کا محاسبہ کرنے کا طریقہ بتاتی ہیں کہ محاسبہ کی کیفیت کیا ہو گی اور کفرِ صریح سے منع کرنے کے لیے دار الاسلام میں مادی قوت کب استعمال کی جائے گی۔

سوم: خلافت اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق چلنے والی حکومت کے دوبارہ قیام کے لیے کوشش اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر تمام شرعی احکامات پر سختی سے عمل کرنے اور اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق نظام چلانے کو فرض کیا ہے۔ اور یہ سب کچھ ایک اسلامی ریاست اور ایک ایسے خلیفہ کے بغیر ممکن نہیں، جو لوگوں پر اسلام نافذ کرے ۔ مسلمان پہلی جنگِ عظیم کے بعد، خلافت کے خاتمے سے لے کر اب تک، اسلامی ریاست اور اللہ کے نظام کے بغیر زندگی گزار رہے ہیں۔ اسی لیے خلافتِ اسلامیہ اور اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق حکومت کو دوبارہ قائم کرنے کے لیے کام کرنا فرض ہے۔ اسلام اسے فرض قرار دیتا ہے۔ اور یہ ایسا فرض ہے کہ اس میں کوئی اختیار اور کسی قسم کی سستی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس کام میں سستی سب سے بڑا گناہ ہے، جس پر اللہ تعالیٰ سخت عذاب دے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهِ بَيْعَةٌ ' مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً)

"اور جو کوئی اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں (خلیفہ کی) بیعت (کا طوق) نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا"۔

اور اس کام سے غفلت برتنا اسلام کے اہم ترین فرض سے غفلت برتنا ہے۔ کیونکہ اسلامی احکام کو قائم کرنا اسی پر منحصر ہے۔ بلکہ دین کا کارزارِ حیات میں داخل ہونا ہی اس پر منحصر ہے۔ اور یہ اصول ہے کہ جس عمل کے بغیر فرض ادا نہیں ہو سکتا، وہ عمل بھی فرض ہے۔ چنانچہ حزب التحریر اسی مقصد کے لیے قائم ہوئی اور اس کی بنیاد اسلامی عقیدہ ہے۔ اس نے ان اسلامی افکار واحکامات کو اختیار کیا، جو اپنے مقصد تک پہنچنے کی خاطر اس کے لیے ضروری اور لازمی ہیں۔ اس نے ان تمام کمزوریوں کا سدباب کیا، جن کی وجہ سے وہ تمام جماعتیں ناکام ہوئیں، جو اسلام کے ذریعے مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے اٹھیں تھیں۔ حزب التحریر نے اُس فکر اور طریقۂ کار کا فکری طور پر بڑی باریک بینی سے ادراک کیا، جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی صورت میں وحی کے ذریعے نازل ہوا، اور جس کی طرف اجماعِ صحابہؓ اور قیاس رہنمائی کرتے ہیں۔ اس نے موجودہ صورتِ حال پر بھی غور و فکر شروع کیا، تاکہ اسے اسلامی احکامات کے مطابق تبدیل کیا جائے۔ حزب التحریر نے دعوت دینے میں رسول اللہ ﷺ کا وہ طریقہ اختیار کیا، جو آپؐ نے مکہ میں اختیار فرمایا تھا، یہاں تک کہ مدینہ میں ایک اسلامی ریاست وجود میں آئی۔ حزب نے اپنے افراد کے درمیان مضبوط تعلق قائم کرنے کے لیے جس ربط و تعلق کو اختیار کیا، وہ عقیدہ اور اسلامی احکامات و افکار ہیں۔ چنانچہ حزب التحریر اس قابل ہے کہ امت اسے اختیار کرے، اور اس کی ہمسفر بنے۔ بلکہ یہ امت پر فرض ہے کہ وہ اسے اپنائے اور اس کی

ہمراہی بنے۔ کیونکہ یہ واحد جماعت ہے جو اپنی فکر کو اچھی طرح سمجھ چکی ہے۔ اس نے اپنے راستے پر نظر رکھی ہوئی ہے اوراپنے مسئلے سے خوب واقف ہے۔ اور یہ کسی رکاوٹ کی پرواکیے بغیر رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے مطابق اپناراستہ متعین کر چکی ہے۔ چنانچہ انشاء اللہ اسے اب اپنے مقصد سے کوئی ہٹا نہیں سکتا۔

3)حزب التحریر کا ہدف:

حزب التحریر کا ہدف اسلامی زندگی کا از سرِ نو آغاز اور پوری دنیا تک اسلامی دعوت کو پہنچانا ہے۔ یہ ہدف یعنی مسلمانوں کو دار الاسلام میں اسلامی زندگی کی طرف لوٹانا اور اسلامی معاشرے میں زندگی کے ہر پہلو کو احکامِ شرعیہ کے مطابق بنانا ہے، جہاں اسلامی ریاست کے زیر سایہ حلال وحرام کا نظریہ قائم ہو۔ گویا یہ ہدف دراصل خلافت کا قیام ہے۔ کیونکہ یہ ہدف مسلمانوں کی طرف سے ایک خلیفہ کے تقرر سے حاصل ہو گا، جس کے ہاتھ پر مسلمان کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کے مطابق حکومت کرنے اور اسلام کو پوری دنیا کے سامنے دعوت وجہاد کے ذریعے پیش کرنے کی شرط پر بیعت کریں گے۔ حزب التحریر کا ہدف یہ بھی ہے کہ فکرِ مستنیر (روشن فکر) کے ذریعے امت میں صحیح بیداری پیدا کی جائے، تاکہ امت کو کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل ہو جائے۔ مختلف مملکتوں، امتوں اور اقوام سے زمامِ اقتدار چھین کر ایک زبردست اسلامی حکومت قائم کی جائے، جیسا کہ یہ پہلے قائم تھی۔ اور پھر وہ اسلامی احکامات کے مطابق حکومت کرے۔ اسی طرح حزب التحریر کا ہدف یہ بھی ہے کہ انسانوں کو ہدایت ملے۔ نیز

امت کی قیادت کرتے ہوئے کفریہ نظاموں اور افکار کے خلاف جدوجہد بھی اس کے اہداف میں شامل ہے، تاکہ پوری زمین پر اسلام کا پرچار ہو۔

4)حزب التحریر کی رکنیت:

کوئی بھی مسلمان مرد اور عورت حزب التحریر کا ممبر بن سکتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ عربی ہو یا عجمی، کالا ہو یا گورا، کیونکہ یہ تمام مسلمانوں کی جماعت ہے۔ یہ قومیتوں، رنگ و نسل اور مسالک کو نظر انداز کرتے ہوئے تمام مسلمانوں کو اسلام کا علمبردار ہونے اور اس کے نظاموں کو اختیار کرنے کی دعوت دیتی ہے اور سب کو ایک ہی نظر سے دیکھتی ہے۔ اس میں افراد کے درمیان ربط و تعلق استوار کرنے کا طریقہ اسلامی عقیدے کو اختیار کرنا، ان کو حزب کی ثقافت میں ڈھالنا، اور حزب کے افکار و آراء کو اختیار کرنا ہے۔ کوئی شخص جب حزب میں شامل ہو جاتا ہے تو وہ اس میں ڈھل جاتا ہے۔ اور جب وہ اس کے ساتھ دعوت میں شامل ہو تا ہے، تو اس کے افکار و تصورات کو اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ حزب کے افراد کے درمیان رابطہ اسلامی عقیدہ اور حزب کی وہ ثقافت ہے، جو اسلامی عقیدے سے نکلتی ہے۔ حزب میں عورتوں کے حلقات مردوں سے الگ ہوتے ہیں اور عورتوں کے حلقات کے مشرفین (نگران) خود عورتیں یا ان کے محرم مرد یا ان کے شوہر ہوتے ہیں۔

5)حزب التحریر کا کام:

حزب التحریر کا کام اسلامی دعوت کے علم کو تھامتے ہوئے موجودہ فاسد (بگڑے ہوئے) معاشرے کو ایک اسلامی معاشرہ بنانا ہے۔ وہ اس طرح کہ موجودہ افکار کو اسلامی افکار میں تبدیل کیا جائے، یہاں تک کہ ایک ایسی رائے عامہ اور تصورات تیار ہو جائیں، جو انہیں اسلام کے نفاذ اور اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونے پر آمادہ کر دیں۔ اور احساسات کو اس طرح تبدیل کیا جائے کہ خوشی اور غمی کا معیار اللہ کی خوشنودی اور ناراضی ہو، اور تمام تعلقات کو بدل کر خالص اسلامی تعلقات پیدا کیے جائیں۔

یہ سارے کام، جو حزب التحریر کرتی ہے، سیاسی کام ہیں۔ کیونکہ حزب التحریر اسلامی احکامات کے مطابق لوگوں کے مسائل و معاملات کی نگرانی کرتی ہے۔ چونکہ سیاست در حقیقت اسلامی احکامات کے مطابق لوگوں کے امور کی دیکھ بھال ہی کا نام ہے۔ چنانچہ انہی سیاسی اعمال سے امت کو اسلامی ثقافت سے آراستہ، نیز فاسد عقائد، غلط افکار اور کفریہ افکار و آراء کے اثر سے آزاد کیا جا سکتا ہے۔

انہیں سیاسی اعمال میں فکری کشمکش اور سیاسی جدوجہد بھی شامل ہے۔ جہاں تک فکری کشمکش کا تعلق ہے تو یہ کفریہ افکار اور نظاموں کے ساتھ ہوتی ہے۔ تاکہ ان غلط افکار و فاسد عقائد اور باطل نظاموں اور تصورات کے فساد اور ان کی غلطی کو ظاہر اور واضح کیا جائے۔ اور ان کے بارے میں اسلامی احکامات کو بیان کیا جائے۔ جہاں تک سیاسی جدوجہد کا تعلق ہے تو یہ کفار اور استعمار کے غلبے اور اثر و رسوخ سے آزادی کے لیے ہے۔ تاکہ اسلامی ممالک سے ان کی فکری، ثقافتی، سیاسی واقتصادی اور عسکری جڑوں کو اکھاڑ پھینکا جا سکے۔ اسی طرح حکمرانوں کو

چیلنج کرنا، ان کی خیانتوں کو واضح کرنا، سازشوں کو بے نقاب کرنا، ان کا محاسبہ کرنا، اور جب وہ امت کے حقوق غصب کرنے لگیں تو انہیں اس سے روکنا، اپنی ذمہ داری کی انجام دہی میں سستی کرنے کی صورت میں ان کی خبر لینا یا کسی ضروری اَمر سے غفلت برتنے یا کسی اسلامی حکم کی مخالفت کرنے کی صورت میں انہیں منع کرنا بھی حزب التحریر کے کاموں میں شامل ہے۔

پس حزب کا تمام تر عمل (کام) سیاسی ہے، خواہ وہ حکومت کے اندر ہو یا باہر۔ اس کا عمل نہ تو تعلیمی ہے اور نہ یہ کوئی مدرسہ ہے۔ اور نہ ہی اس کا کام وعظ وارشاد ہے۔ بلکہ اس کا کام سیاسی ہے۔ یہ اسلامی افکار واحکام کو اس لیے پیش کرتی ہے، تاکہ کارزارِ حیات میں ان پر عمل کیا جا سکے۔ حزب اس طور پر اسلام پر عمل پیرا اور اس کی علمبردار ہے کہ یہ نافذ ہو۔ اسلام کا عقیدہ ایک عقلی اور سیاسی عقیدہ ہے، جس سے ایک ایسا نظام نکلتا ہے، جو انسان کی تمام مشکلات، خواہ وہ سیاسی ہوں یا اقتصادی، ثقافتی ہوں یا اجتماعی، سب کو حل کرتا ہے۔

6) حزب التحریر کا دائرہ عمل:

اسلام اگرچہ ایک عالمی مبدأ ہے لیکن اس کا طریقہ کار یہ نہیں کہ آغاز ہی سے اس کے لیے عالمی سطح پر کام کیا جائے۔ اگرچہ اس کی دعوت عالمی سطح پر دی جائے، لیکن اس کا دائرہ عمل ایک علاقے یا کئی علاقوں تک محدود رہنا چاہیے۔ تاکہ یہ علاقہ اس کے لیے ایک مرکز بن سکے اور وہاں ایک اسلامی حکومت قائم کی جا سکے۔ یوں تو ساری دنیا اسلامی دعوت کے لیے مناسب ہے، لیکن چونکہ اسلامی ممالک کے باشندے اسلام کو اپنا دین سمجھتے ہیں، اس لیے دعوت کا آغاز ان سے کرنا ضروری ہے۔ اور چونکہ عرب ممالک کے باشندے امتِ مسلمہ کا حصہ ہیں اور ان

کی زبان عربی ہے،جو قرآن وحدیث کی زبان ہے اور اسلام کا ایک جوہری جزو اور اسلامی ثقافت کے عناصر میں سے ایک بنیادی عنصر ہے، لہٰذا دعوت کی ابتداء ان عرب ممالک ہی سے کرنا زیادہ بہتر تھا۔

چنانچہ حزب التحریر کی ابتداء اور اس کی دعوت کا آغاز بعض عرب ممالک ہی سے ہوا۔ پھر یہ طبعی طریقے سے اپنی دعوت کو عام کرنے کے لیے پھیلتی چلی گئی، یہاں تک کہ اب یہ اکثر عرب ممالک اور بعض غیر عرب اسلامی ممالک میں بھی کام کر رہی ہے۔

7)حزب التحریر کے اختیار کردہ افکار، احکام اور آراء:

امت کی موجودہ حالت کے بارے میں غور وفکر اور بحث ومطالعہ کے بعد حزب التحریر جس نتیجے پر پہنچی، اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ , خلفائے راشدینؓ وتابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے زمانے کے حالات کا جائزہ لینے، نیز سیرت رسول اللہ ﷺ اور اسلامی دعوت کی ذمہ داری کے آغاز سے لے کر مدینہ میں اسلامی حکومت کے قیام تک کے حالات پر غور کرنے، پھر آپؐ کی مدنی زندگی کے مطالعہ، کتاب وسنت، اجماعِ صحابہؓ وقیاس کی طرف رجوع کرنے اور صحابہؓ وتابعین اور آئمہ مجتہدین کے اقوال کو دیکھنے کے بعد، حزب التحریر نے فکر اور طریقہ سے متعلق افکار و آراء اور احکام اختیار کیے۔ یہ افکار وآراء اور احکام صرف اور صرف اسلامی ہیں۔ ان میں کوئی چیز غیر اسلامی یا کسی غیر اسلامی چیز سے متأثر شدہ نہیں، بلکہ یہ خالص اسلامی ہیں۔ حزب التحریر کسی غیر اسلامی اصول یا نص پر اعتماد نہیں کرتی۔ بلکہ صرف اور صرف اسلامی فکر ہی پر اعتماد اور بھروسہ کرتی ہے۔ حزب التحریر نے اُن افکار، احکام اور آراء کو اختیار کیا، جو اسلامی زندگی کے

دوبارہ احیاء اور خلیفہ وخلافت کے قیام کے ذریعے دنیا بھر میں اسلامی دعوت کو پھیلانے کے لیے ضروری تھے۔ حزب التحریر نے ان افکار، آراء اور احکام پر مشتمل کئی کتابیں اور مطبوعات لوگوں کے لیے شائع کی ہیں۔

اور حزب کی تبنی کردہ کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

1) نظامُ الاسلام
2) اسلام کا حکومتی نظام
3) اسلام کا اقتصادی نظام
4) اسلام کا معاشرتی نظام
5) حزب کی جماعت سازی
6) حزب التحریر کے تصورات
7) اسلامی ریاست
8) اسلامی شخصیت (تین اجزاء)
9) حزب التحریر کے سیاسی تصورات
10) حزب التحریر کے سیاسی افکار
11) مقدمہ دستور
12) اسلامی نفسیہ کے لازمی عناصر
13) ریاستِ خلافت کی حکومتی اور انتظامی تنظیم

14) اسلامی ریاست میں اموال

15) ریاستِ خلافت کی باقاعدہ تعلیم کی بنیاد

16) سیاسی مسائل

17) تبدیلی لانے کے لیے حزب التحریر کا منہج

18) حزب التحریر کا تعارف

اور مندرجہ ذیل کتابیں بھی حزب کی شائع کردہ ہیں:

1) خلافت کو کیسے منہدم کیا گیا

2) اسلام کا سزاؤں کا نظام

3) اسلام کا گواہیوں کا نظام

4) مارکسس سوشلزم کا رَد

5) تفکیر

6) حاضر دماغی

7) اسلامی فکر

8) مغربی قوانین کے نظریۂ التزام کا رَد

9) دردناک صدا

10) اعلیٰ معاشی پالیسی

11) جمہوریت نظامِ کفر ہے

12) کلوننگ کا شرعی حکم

اسی طرح حزب التحریر نے ہزاروں پمفلٹس، یادداشتیں اور مختصر سیاسی اور فکری کتابچے شائع کیے ہیں۔ حزب التحریر ان افکار واحکام کو صرف سیاسی طریقے سے لوگوں تک پہنچاتی ہے۔ یعنی ان کو یہ فکر اس لیے دیتی ہے کہ وہ اسے اختیار کریں، اس کے مطابق عمل کریں اور حکومت و کارزارِ حیات تک پہنچانے کے لیے اسے پھیلائیں۔ کیونکہ مسلمان ہونے کے ناطے اور حزب کے اسلامی جماعت ہونے کی بنا پر یہ ان کا فرض ہے۔ علاوہ ازیں حزب التحریر نے اسلامی افکار واحکام کو اختیار کرنے کے لیے صرف کتاب وسنت، اجماعِ صحابہؓ اور قیاس پر ہی اس لیے اعتماد کیا کیونکہ یہی وہ چاروں ماخذ ہیں، جن کی صحت قطعی دلیل سے ثابت ہے۔

(8 حزب التحریر کا طریقہ کار:

دعوت کو پھیلانے کے طریقہ کار سے مراد وہ شرعی احکامات ہیں, جو دعوت کی ذمہ داری اٹھانے سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ماخوذ ہیں، اور جن کی پیروی ہم پر فرض ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَاللّٰهَ كَثِيْرًا﴾

"یقیناتمہارے لیے رسول اللہ ﷺ بہترین نمونہ ہیں، اس شخص کے لیے، جو اللہ اور آخرت کے دن کی امید رکھتاہے اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتاہے"۔ (الاحزاب: 21)

اسی طرح ارشادِ ربانی ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾

"(اے محمد!) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا"۔(آل عمران:31)

اور ارشاد ہے:

﴿ وَمَاآتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾

"اور رسول تمہیں جس چیز کا بھی حکم دیں اسے اختیار کرلو۔ اور جس چیز سے منع کر دیں، اس سے رک جاؤ"۔(الحشر:7)

ان کے علاوہ بہت سی ایسی آیات ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی پیروی اور آپؐ ہی سے دین لینے کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں۔

چونکہ مسلمان آج کل دارالکفر میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کو پسِ پشت ڈال کر کفریہ احکامات کے مطابق حکومت کرتے ہیں۔ لہٰذا ان دیار کی نوعیت رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت مکہ کی طرح ہے۔ پس دعوت کی ذمہ داری اٹھانے میں اسی دور کی سیرت کو مشعلِ راہ بنایا جائے۔

مکی دور سے مدینہ میں ایک اسلامی ریاست کے قیام تک کی سیرت پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ اس دوران کچھ مخصوص اور واضح مراحل سے گزرے اور آپؐ نے کچھ

مخصوص اور واضح اعمال سرانجام دیئے۔ چنانچہ حزب التحریر نے بھی اپنے طریقہ کار میں آپؐ کی اقتداء کرتے ہوئے انہی اعمال کو مراحل کے اعتبار سے اپنایا اور اسی بنیاد پر اپنے مشن کو تین مراحل میں تقسیم کیا:

پہلا مرحلہ: حزب کے فکر اور طریقہ پر پختہ یقین رکھنے والے افراد کی تیاری اور تربیت کا مرحلہ۔ تاکہ ایک منظم جماعت قائم ہو سکے۔

دوسرا مرحلہ: امت کے ساتھ مل کر کام کرنے کا مرحلہ۔ تاکہ وہ اسلام کی علمبردار بنے، اس کام کو اپنا فرضِ منصبی سمجھے، اور کارزارِ حیات میں اس کو نافذ کرنے کے لیے جدوجہد کرے۔

تیسرا مرحلہ: حکومت سنبھالنے، اسلام کو مکمل طور پر نافذ کرنے اور پوری دنیا تک اس کی دعوت کو پہنچانے کا مرحلہ۔

حزب التحریر کے پہلے مرحلے کی ابتداء القدس میں 1372ھ بمطابق 1953ء میں حزب التحریر کے بانی، عالمِ جلیل، عظیم مفکر، بے مثال سیاسی لیڈر اور القدس میں محکمۂ استئناف کے قاضی "علامہ تقی الدین النبھانی" نے کی۔ اس مرحلہ میں حزب التحریر امت کے افراد کے ساتھ رابطہ کرتی رہی ہے اور انفرادی طور پر اپنی فکر اور طریقہ کو ان کے سامنے پیش کرتی رہی ہے۔ پھر جو حزب کی دعوت کو قبول کر لیتا، تو اسے تعلیم کے لیے حزب کے حلقات میں تیار کیا جاتا۔ تاکہ اُن اسلامی افکار و احکامات کو اس کے ذہن میں راسخ کیا جائے، جن کو حزب نے اختیار کیا ہے۔ وہ ایک اسلامی شخصیت بن کر ابھرے اور اس کے احساسات اسلامی ہوں۔ اس

کی عقلیہ اور نفسیہ اسلامی ہوں اور وہ اسلام کی دعوت پر کمر بستہ ہو۔ جب کوئی شخص اس درجے تک پہنچتا ہے اور اپنے آپ کو حزب کے حوالے کرتا ہے، تو حزب اسے اپنا ممبر بنالیتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ دعوت کے پہلے مرحلہ میں کیا کرتے تھے، جو تین سال تک جاری رہا ۔ آپؐ اسلام کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے اور جو ایمان لے آتا، اس کو دین کی بنیاد پر خفیہ طریقے سے اپنی جماعت میں شامل فرماتے، اور پوری توجہ سے اس کو اسلامی تعلیم دیتے۔ ان کو نازل شدہ اور نازل ہونے والا قرآن پڑھاتے تاکہ اسلام ان کے دلوں میں رچ بس جائے۔ آپؐ ان سے خفیہ طور پر ملتے اور خفیہ مقامات پر ان کو تعلیم دیتے۔ اور وہ بھی چھپ چھپ کر اپنی عبادات سر انجام دیتے۔ اس کے بعد مکہ میں اسلام کا ذکر زبان زدِ خاص وعام ہو گیا اور لوگ جوق در جوق اس میں داخل ہونے لگے۔ اس مرحلہ میں حزب التحریر نے اپنے ڈھانچے کو مکمل کرنے اور اپنی جماعت کو بڑھانے اور حزب کے مراکز میں حلقات کے ذریعے اپنے افراد کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ یہاں تک وہ اسلامی زندگی کے سانچے میں ڈھلے ہوئے نوجوانوں کی ایک ایسی منظم جماعت بنانے میں کامیاب ہو گئی جو حزب کے افکار کی علمبردار اور لوگوں میں ان افکار کو پھیلانے کی داعی تھی۔

جب حزب ایک منظم جماعت بنانے میں کامیاب ہو گئی اور معاشرے نے بھی اس کی ضرورت کو محسوس کیا اور اسے، اس کے افکار اور دعوت کو اچھی طرح سمجھ لیا تو حزب نے دوسرے مرحلہ میں قدم رکھا۔ یہ مرحلہ امت کے ساتھ مل کر کام کرنے کا ہے۔ تاکہ امت کو اسلام کا علمبردار بنایا جائے۔ عام لوگوں میں شعور پیدا کیا جائے اور حزب کے اختیار کردہ اسلامی افکار

اور احکامات کے مطابق رائے عامہ کو ہموار کیا جائے۔ تا کہ امت ان افکار کو اپنا کر کارزارِ حیات تک انہیں پہنچانے کا بیڑہ اٹھائے۔ اس مرحلہ میں حزب نے عوام سے اجتماعی طور پر مخاطب ہونے کا انداز اختیار کیا اور اس مرحلے میں مندرجہ ذیل کام سرانجام دیئے:

1) حزب نے اپنا وجود بڑھانے، افراد میں اضافہ اور دعوت کا بوجھ اٹھانے کی صلاحیت رکھنے والی شخصیات تیار کرنے اور فکری کشمکش اور سیاسی میدان میں کودنے والے افراد پیدا کرنے کے لیے حلقات میں افراد کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی۔

2) عوام کو اجتماعی طور پر اپنے اختیار کردہ اسلامی افکار واحکامات کی تربیت دینے کے لیے حزب التحریر نے مجالس، لیکچرز اور مساجد میں دروس، نیز عوامی اجتماعات کے مقامات میں بیانات کا اہتمام کیا۔ علاوہ ازیں اخبارات اور پمفلٹس کو بھی استعمال کیا۔ تا کہ امت میں اجتماعی شعور پیدا ہو اور وہ حزب کے ساتھ مل کر کام کرے۔

3) کفریہ عقائد، کفریہ نظاموں، کفریہ افکار وفاسد عقائد، غلط افکار اور باطل نظریات کے ساتھ فکری جنگ اس طرح کی گئی کہ ان کی کج روی، غلطی اور اسلام کے ساتھ ان کے تضاد کو آشکارا کیا گیا۔ تا کہ امت کو ان کے اثرات سے بچایا جا سکے۔

4) سیاسی کشمکش اور اس کی مذکورہ صورتیں:

الف) اسلامی ممالک پر غلبہ اور اثر ورسوخ رکھنے والی کافر استعماری حکومتوں کے ساتھ فکری کشمکش، اور استعمار کی ہر شکل، چاہے وہ فکری ہو، سیاسی ہو، اقتصادی ہو یا عسکری، کے خلاف

جدوجہد کرنا۔ ان کے منصوبوں اور سازشوں کو بے نقاب کرکے امت کو ان کے تسلط اوراثرونفوذ سے آزاد کرانے کی جدوجہد کرنا۔

ب) عرب اور اسلامی ممالک کے حکمرانوں کا محاسبہ کرنا۔ اور جب وہ امت کے حقوق غصب کریں، یا اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی کریں یا کسی معاملے میں سستی کا مظاہرہ کریں یا کسی اسلامی حکم کی مخالفت کریں، تو ان کو للکارنا اور ان کی حکومت کو ہٹا کر اسلامی حکومت قائم کرنے کے لیے تگ ودو کرنا۔

5) شرعی احکامات کے مطابق امت کے مفادات کا خیال رکھنا اور اس کے امور کی نگرانی کرنا۔

حزب یہ سارے کام رسول اللہ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے کرتی ہے، وہ اعمال جو آپؐ نے اس آیتِ مبارکہ کے نزول کے بعد کیے:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ المُشْرِكِيْنَ﴾(الحجر:94)

"آپ کو جس چیز کا حکم دیا گیا ہے 'اسے کھول کر بیان کر دیں اور مشرکوں سے منہ پھیر لیں"۔

اس کے بعد آپؐ نے اس کام کو ظاہر کر دیا۔ قریش کو صفا پر بلایا اور ان کو بتایا کہ آپؐ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں۔ اور آپؐ نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ آپؐ پر ایمان لائیں۔ یوں آپؐ اپنی دعوت کو مختلف گروہوں کے سامنے اسی طرح پیش کرنے لگے جس طرح آپؐ افراد کے سامنے پیش کیا کرتے تھے۔ آپؐ نے قریش، ان کے معبودوں اور عقائد و افکار کو للکارا۔ آپؐ نے ان کی کج روی، خرابی اور غلطی بیان کرتے ہوئے اس وقت کے تمام غلط عقائد اور افکار کے

خلاف جدوجہد شروع کی۔ اس دوران برابر آیات نازل ہوتی رہیں اور ان کے وہ تمام جرائم، جن کا یہ ارتکاب کرتے تھے، کی تردید میں آیات نازل ہوئیں مثلاً سود خوری، بچیوں کو زندہ درگور کرنا، ناپ تول میں کمی، زناکاری وغیرہ۔ اسی طرح بہت سی آیات قریش کے سرداروں، ان کے اکابر اور آباؤ اجداد کے احمقانہ پن کو بیان کرنے، اور رسول اللہ ﷺ اورآپ کے صحابہؓ کے خلاف سازشوں سے پردہ اٹھانے کے لیے بھی نازل ہوئیں۔

حزب اپنے افکار کو اختیار کرنے، دوسرے افکار اور جماعتوں کو للکارنے، کافر استعماری حکومتوں کے ساتھ جنگ کرنے اور حکمرانوں کو ٹوکنے میں کھلے انداز سے چیلنج کرتی ہے۔ اس میں نرمی برتتی ہے اور نہ سستی اور چشم پوشی سے کام لیتی ہے۔ نہ اس میں بناوٹ ہے اور نہ یہ حالات اور نتائج سے آنکھیں بند کرکے عدم ٹکراؤ کے راستہ کو اختیار کرتی ہے۔ بلکہ یہ ہر اس چیز کو چیلنج کرتی ہے، جو اسلامی احکامات کے خلاف ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حکمرانوں نے اس کے افراد کو قید وبند، تشدد، ملک بدری، جائیداد پر قبضہ، سہولتوں سے محرومی، سفر پر پابندی اور قتل جیسی سخت تکالیف اور سزاؤں سے دو چار کیا۔ عراق، شام اور لیبیا کے ظالم حکمرانوں نے حزب کے سینکڑوں افراد کو قتل کیا۔ اسی طرح اردن، شام، عراق، مصر، لیبیا اور تیونس کی جیلیں حزب کے شباب سے بھری پڑی ہیں۔ حزب یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء اور پیروی میں کرتی ہے۔ آپؐ نے حق پر یقین رکھتے ہوئے پوری دنیا کے سامنے اسلام کی دعوت کو ایک چیلنج کے طور پر پیش کیا۔ عادات، رسوم ورواج، ادیان، عقائد، حکمرانوں اور رعایا کا لحاظ کیے بغیر آپؐ نے ہر سرخ وسیاہ کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔ اور آپؐ نے اسلام کی دعوت کے سوا کسی چیز

کی پرواہ نہیں کی۔ سب سے پہلے آپؐ نے قریش کے سامنے ان کے معبودوں کے عیوب کو واضح کیا' ان کے نظریات کو چیلنج کیا اور انہیں حماقت پر مبنی قرار دیا۔ یہ سب کچھ آپؐ نے تنِ تنہا کیا۔ آپؐ کے پاس سامانِ جنگ تھا نہ کوئی مدد گار، بلکہ اسلامی دعوت پر غیر متزلزل ایمان کے علاوہ آپؐ کے پاس کوئی دوسرا ہتھیار نہ تھا۔

اگرچہ حزب التحریر نے بھی اپنے مشن کی وضاحت کے لیے کھلے چیلنج کا طریقہ اختیار کیا، لیکن اس نے صرف سیاسی کاموں پر اکتفاء کیا ہے۔ اور حکمرانوں یا ان لوگوں کے مقابلے میں، جو دعوت کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں، مادی وسائل کا بالکل استعمال نہیں کیا۔ اور یہ بھی اس نے رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں کیا۔ کیونکہ آپؐ نے ہجرت سے پہلے مکہ میں صرف دعوت پر اکتفاء کیا، اور کسی قسم کے مادی وسائل کو بالکل استعمال نہیں کیا۔ جب بیعتِ عقبہ ثانیہ والوں نے آپؐ سے اہلِ منیٰ کے ساتھ تلواروں کے ذریعے لڑنے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے یہ کہتے ہوئے ان کو منع فرمادیا: (لَمْ نُؤمَرْ بِذَالِکَ بَعْدُ) "ہمیں ابھی تک اس کی اجازت نہیں دی گئی۔" (الطبقات الکبریٰ) اور اللہ تعالیٰ نے بھی آپؐ کو تکلیف پر صبر کرنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ گزشتہ رسولوں نے صبر کیا۔ ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَاكُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتَاهُمْ نَصْرُنَا﴾

"اور یقیناً آپ (ﷺ) سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا۔ پس انہوں نے اس جھٹلانے پر صبر کیا۔ اور انہیں اذیتیں بھی دی گئیں، یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آن پہنچی"۔

(الانعام:34)

حزب کا اپنے دفاع میں یا حکمرانوں کے خلاف مادی قوت کے استعمال نہ کرنے کا جہاد کے موضوع سے کوئی تعلق نہیں۔ جہاد تو قیامت تک جاری رہے گا اور جب کافر دشمن کسی مسلمان ملک پر حملہ کریں تو ان کا مقابلہ وہاں کے باشندوں پر فرض ہے۔ حزب کے شباب بھی اُس ملک کے مسلمانوں کا ایک حصہ ہیں۔ چنانچہ دشمن کے ساتھ لڑنا اور ان کو بھگانا اُن پر بھی فرض ہے، جس طرح کہ دوسرے مسلمانوں پر فرض ہے۔ یا یہ صورت حال بھی پیش آسکتی ہے کہ کوئی مسلمان حکمران اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لیے جہاد کا راستہ اختیار کرے اور لوگوں سے میدانِ جنگ میں نکلنے کا مطالبہ کرے تو حزب التحریر کے جتنے بھی جوان اُس ملک میں ہوں گے، مسلمان ہونے کے ناطے وہ اس کی صدا پر لبیک کہیں گے۔

جب حزب التحریر کے سامنے معاشرہ جامد ہو گیا کہ امت نے اس قیادت اور قائدین پر اعتماد کرنا چھوڑ دیا، اور سازشوں کی بنیاد پر بنائے گئے مشن کو کامیاب کرنے کے لیے ایسے شدید ترین حالات پیدا ہوئے، اور اس ظلم وزیادتی میں اضافہ ہوا، جو حکمران طبقہ عوام پر ڈھا رہا ہے، تو حزب نے مذکورہ دو مقاصد کے حصول کے لیے صاحبِ قدرت لوگوں سے نصرت طلب کی:

اول: تحفظ کی خاطر، تاکہ حزب اطمینان سے اپنی دعوت کو پھیلانے کا کام کرتی رہے۔

دوم: اسلام کے نفاذ اور خلافت کے قیام کی خاطر، تاکہ حکومت تک پہنچا جاسکے۔

حزب نصرت کے ان کاموں کے ساتھ ساتھ ان تمام کاموں کو بھی کرتی رہی ہے جو وہ پہلے سے جاری رکھے ہوئے ہے، مثلاً حلقات میں خصوصی تعلیم، اجتماعی تربیت و تعلیم کا اہتمام، امت کو اسلام پر عمل کرنے کی طرف خصوصی توجہ دلانا اور اس میں رائے عامہ ہموار کرنا۔ کافر استعماری حکومتوں کے مقابلے میں کھڑا ہو کر ان کی سازشوں اور منصوبوں سے پردہ اٹھانا، حکمرانوں کو للکارنا اور امت کے مفاد اور اس کے امور کی نگرانی کرنا وغیرہ۔ حزب یہ تمام کام اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھتے ہوئے باقاعدگی سے سرانجام دے رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ حزب کو اور ملتِ اسلامیہ کو کامیابی و کامرانی اور نصرت سے نوازے گا۔ اور یقیناً اس روز مؤمن اللہ کی نصرت سے خوش ہوں گے۔

۹) حزب التحریر کا نظریہ:

جس نظریے پر حزب التحریر قائم ہے اور جو اس کے تمام افراد میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے، اور جس کے ذریعے وہ امت کو بیدار کرنے کے لیے کام کر رہی ہے، تاکہ امت اسلام کو اپنا مسئلہ سمجھے، وہ اسلامی نظریہ ہے۔ یعنی عقیدۂ اسلام اور اس سے جو احکام و افکار نکلتے ہیں۔ حزب التحریر نے اس نظریہ کو اسی قدر اختیار کیا کہ جو ایک ایسی سیاسی جماعت کی حیثیت سے اس کے لیے ضروری ہے، جو معاشرے کو اسلامی بنانے کے لیے کام کر رہی ہے، یعنی حکومت، تعلقات اور زندگی کے ہر پہلو میں اسلام کو نافذ کرنے کے لیے۔ اور حزب نے اپنے اختیار کردہ افکار کو تفصیل سے اپنی شائع کردہ کتب اور مطبوعات میں واضح کر دیا ہے۔ ان میں ہر حکم، ہر رائے، ہر

فکر اور ہر مفہوم کے لیے تفصیلی دلائل دیے گئے ہیں۔ جن افکار، احکام اور آراء کو حزب نے اختیار کیا ہے، ان کا انتہائی اجمالی نمونہ درج ذیل ہے:

اسلامی عقیدہ:

اسلامی عقیدہ اللہ تعالیٰ، اس کی کتابوں، رسولوں، فرشتوں اور قیامت کے دن پر ایمان نیز قضا وقدر کے خیر وشر کا مِن جانب اللہ ہونے پر ایمان لانا ہے۔ اور ایمان تصدیقِ جازم ہے، جو دلیل پر مبنی اور حقیقت کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر تصدیق بلا دلیل ہو تو وہ ایمان نہیں ہو گا، کیونکہ وہ پختہ نہیں ہو گا۔ اور تصدیق اس وقت تک جازم نہیں ہو گی، جب تک کہ وہ قطعی دلیل سے ثابت نہ ہو۔ لہٰذا ضروری ہے کہ عقیدے کی دلیل قطعی ہو۔ کیونکہ عقیدے کی دلیل کا ظنی ہونا جائز نہیں۔ عقیدہ اس بات کی گواہی دینے کو کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور گواہی اس وقت تک گواہی نہیں ہو سکتی، جب تک کہ وہ علم، یقین اور تصدیق کے ساتھ نہ ہو۔ شہادت ظن کی بنیاد پر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ظن علم اور یقین کا فائدہ نہیں دیتا۔ اسلامی عقیدہ ہی دراصل اسلام کی بنیاد ہے۔ یہ اسلامی عقیدہ افراد، مملکت، دستور، تمام قوانین اور اُن چیزوں کی بنیاد ہے، جو اس سے پھوٹتی ہیں۔ اس طرح یہ تمام اسلامی افکار، احکام اور تصورات کی بھی بنیاد ہے۔ کیونکہ جو افکار وآراء، احکام اور تصورات اس سے نکلتے ہیں، یا اس کی بنیاد پر قائم ہیں، وہ دنیاوی امور اور ان کی نگرانی کے ساتھ ویسا ہی تعلق رکھتے ہیں، جیسا کہ وہ آخرت کے امور کے ساتھ متعلق ہیں۔ یہ عقیدہ درحقیقت دنیا کے معاملات کی اصلاح کی بنیاد ہے۔ اس میں سے خرید و فروخت، کرایہ، وکالت، کفالت، ملکیت،

شادی بیاہ، شراکت اور وراثت کے احکامات نکلتے ہیں۔ اور اسی طرح اس میں دنیاوی معاملات کو سنوارنے سے متعلقہ احکامات کے نفاذ کی کیفیت بھی بیان کی گئی ہے، مثلاً جماعت کا امیر بنانے سے متعلق احکامات، مصالحت اور سلامتی کے مسائل اور سزاؤں سے متعلقہ احکامات وغیرہ۔ یہ معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ امور کی دیکھ بھال سے متعلق ہے۔ اور لوگوں کے امور کی دیکھ بھال سیاست ہے، پس یہ سیاسی عقیدہ ہے، اس عقیدہ کو دعوت کو پھیلانے، اس کی حفاظت کرنے، حکومت میں اسے قائم کرنے، حکومت کی طرف سے اس کی حمایت، اس کے نفاذ اور اس کے قیام وبقا، اور اگر حکمران اس کے نفاذ میں کوتاہی کریں، تو ان کا محاسبہ کرنے اور اسلام کا پیغام دنیا بھر میں پہنچانے جیسے کاموں سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

یہ عقیدہ تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے اور عاجزی وانکساری صرف اسی کے سامنے ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی مخلوق، چاہے وہ بت ہو، مورتیاں ہوں، یا خواہشات وشہوات ہوں، عبادت اور تابعداری کے لائق نہیں۔ وہی ذات تنہا عبادت کے لائق اور خالق ہے۔ وہی حاکم، صاحبِ اختیار، شارع، ہدایت دینے والا، رزق دینے والا، زندہ کرنے والا، موت دینے والا اور مدد کرنے والا ہے۔ وہی ہے جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے، اور وہی ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کی مخلوقات میں سے کوئی اس کام میں اس کا شریک نہیں۔

اس عقیدے کا یہ تقاضا ہے کہ محمد ﷺ ہی تمام مخلوقات میں سے قابلِ تقلید اور قابلِ اقتداء ہیں۔ آپؐ کے علاوہ کوئی بھی پیروی کے قابل نہیں۔ آپؐ کے علاوہ کسی سے دین نہیں لیا جائے گا۔ آپؐ ہی اپنے رب کی شریعت کو پہنچانے والے ہیں۔ چنانچہ آپؐ کے علاوہ کسی انسان، کسی

دین یا مبدأ یا کسی قانون ساز سے دین اخذ کرنا جائز نہیں۔ بلکہ صرف اور صرف آپؐ ہی قابل اتباع اور واجب اقتداء ہیں:

﴿ وَمَاۤاٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾

"اور رسول تمھیں جس چیز کا بھی حکم دیں اسے اختیار کرلو۔ اور جس چیز سے منع کر دیں، اس سے رک جاؤ"۔(الحشر:7)

﴿وَمَاكَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾

"اللہ اور اس کا رسول جب کوئی فیصلہ کریں تو کسی مومن مرد یا عورت کے لیے اس فیصلہ میں کوئی اختیار نہیں"۔(الاحزاب:36)

﴿فَلَاوَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾

"'(اے محمد!) تمہارے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک کہ یہ آپ کو اپنے اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں"۔(النساء:65)

﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاء الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاء بَعْضِكُم بَعْضاً قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذاً فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾(النور:63)

"مومنو پیغمبر کے پکارنے کو ایسا خیال نہ کرنا جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ بے شک اللہ کو وہ لوگ معلوم ہیں جو تم سے آنکھ بچا کر کھسک جاتے ہیں۔ تو جو محمد ا کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنہ یا دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں"۔

اور یہ عقیدہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اسلام کو ایک ہی دفعہ مکمل طور پر نافذ کیا جائے۔ جس طرح اس کو بتدریج نافذ کرنا حرام ہے، اسی طرح اس کے ایک جزو کو نافذ کر کے دوسرے جزو کو معطل چھوڑ دینا بھی حرام ہے۔ اور مسلمان اس آیت کے نزول کے بعد اس پورے دین کو نافذ کرنے کے پابند ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمائی۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی۔ اور تمہارے لیے صرف اسلام کو بطورِ دین پسند کیا"۔ (المائدۃ:3)

اور احکامات کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہیں کی جاسکتی۔ نفاذ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات برابر ہیں۔ چنانچہ صدیق اکبرؓ اور صحابہؓ نے منکرینِ زکوٰۃ کے ساتھ جنگ کی۔ انہوں نے صرف ایک حکم کا انکار کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے ڈراتا ہے، جو احکامات کے درمیان فرق کرتے ہیں، اور صرف بعض احکامات کو مانتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَفَتُؤمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذَالِکَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰی اَشَدِّ الْعَذَابِ﴾(البقرة:85)

"کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان رکھتے ہو اور کچھ حصے کا انکار کرتے ہو؟ اور جو شخص ایسا کرے گا تو دنیا میں اس کے لیے رسوائی ہے اور آخرت کے دن ان لوگوں کو سخت ترین عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا"۔

حزب التحریر نے عقیدہ کے افکار اور اس سے متعلقہ موضوع پر بھی بحث کی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کے وجود کا ثبوت، انبیاء کی ضرورت کا ثبوت اور اس بات کا ثبوت کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ ان موضوعات کو قرآن وحدیث متواتر، نقلی اور عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح قضاوقدر، رزق، موت، توکل علی اللہ، ہدایت اور گمراہی جیسے موضوعات کے بارے میں بھی بحث کی ہے۔

شرعی قوائد:

تمام کاموں (اعمال) میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ شرعی حکم کی پابندی کی جائے۔ اس وقت تک کوئی عمل نہ کیا جائے، جب تک کہ اس کا حکم معلوم نہ کر لیا جائے۔ جبکہ تمام اشیاء میں اصل اباحت (جواز) ہے، جب تک کہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل نہ ہو۔

ہر مسلمان اس بات کا پابند ہے کہ وہ اپنے تمام اعمال کو شرعی احکامات کے مطابق سرانجام دے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ﴾(النساء:65)

"اے محمد! تمہارے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپ کو اپنے اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنا لیں"

اور فرمایا:

﴿وَمَاآتاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر:7)

"اور رسول تمہیں جس چیز کا بھی حکم دیں اسے اختیار کر لو۔ اور جس چیز سے منع کر دیں، اس سے رک جاؤ"۔

مسلمان کے لیے بنیادی چیز یہ ہے کہ وہ اپنے تمام افعال میں شرعی احکامات کی پابندی کرے۔ اور حکم بندوں کے افعال سے متعلق شارع کا خطاب ہے۔ پس جس چیز کے بارے میں شارع کا خطاب نہ ہو، تو وہ حکمِ شرعی نہیں۔ اس دنیا کی ہر چیز اور ہر کام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم بیان کیا ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلامَ دِیْنًا﴾(المائدة:3)

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی۔ اور تمہارے لیے صرف اسلام کو بطورِ دین پسند کیا"

اور فرمایا:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْکَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾(النحل:89)

"اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی، جو ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرتی ہے۔"

شارع کا عام خطاب چیزوں کی اباحت کے بارے میں ہے۔ پس اباحت ایک حکمِ شرعی ہے۔ کیونکہ اباحت سے مراد ہے کہ شارع نے انسان کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿هُوَالَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ﴾(البقرة:29)

"اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے، وہ سب تمہارے لیے پیدا کیا"۔

اور فرمایا:

﴿وَسَخَّرَلَكُمْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ﴾ (الجاثيه:13)

"اور زمین وآسمان میں جو کچھ ہے، اس سب کو اس نے تمہارے تابع کر دیا ہے"

یہ تمام اشیاء، جو زمین وآسمان میں ہیں، اور جن کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے پیدا فرمایا اور ہمارے تابع کر دیا، یہ سب ہمارے لیے مباح ہیں۔ چنانچہ یہاں کسی خاص دلیل کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ عام دلیل کے تحت آجاتی ہیں، جو کہ اباحت (جواز) ہے:

﴿يٰٓاَ يُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلاً طَيِّبًا ﴾(البقرة:168)

"زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں، ان میں سے کھاؤ"

یعنی ہر چیز کو کھانا حلال ہے، جو کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ کیونکہ دلیل عام ہے، جو اباحت (جواز) کے لیے ہے۔ البتہ کسی چیز کو کھانے کی حرمت کے لیے ایسی دلیل کی ضرورت ہے جو اسے حرام قرار دے، اور جواز کی عام دلیل سے اسے مستثنٰی قرار دے۔ جیسا کہ مردار، خنزیر، گر کر مرنے والے جانور، درندے اور شراب پینا یہ سب خاص دلیل کی وجہ سے حرام ہیں۔ چنانچہ:

قاعدہ نمبر ۱: مَا لَا يَتِمُّ الْوَاجِبُ اِلَّا بِهٖ فَهُوَ وَاجِبٌ

جس چیز کے بغیر کوئی فرض ادا نہیں ہوتا، وہ بھی فرض ہے۔

قاعدہ نمبر ۲: اِسْتِصْحَابُ الْاَصْلِ

اصل کی مطابقت کرنا

قاعدہ نمبر ۳: اَنَّ الْخَيْرَ مَااَرْضَى اللّٰهَ وَاَنَّ الشَّرَّ مَاأَسْخَطَهُ

خیر وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، اور شر وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو۔

قاعدہ نمبر ۴: اَنَّ الْحَسَنَ مَاحَسَّنَهُ الشَّرْعُ، وَاَنَّ الْقَبِيْحَ مَاقَبَّحَهُ الشَّرْعُ

حسن عمل وہ ہے جسے شریعت اچھا قرار دے، اور قبیح وہ ہے جسے شریعت برا قرار دے۔

قاعدہ نمبر ۵: اَنَّ الْعِبَادَاتِ وَالمَطْعُوْمَاتِ وَالْمَلْبُوْسَاتِ وَالْمَشْرُوْبَات وَالْاَخْلَاقِ لَاتُعَلَّلُ وَيُلْتَزَمُ فِيْهَا بِالنَّصِّ

عبادات، کھانے، پینے، پہننے کی چیزوں اور اخلاقیات میں نص کی پابندی کی جائے گی۔ ان کی علت (حکم کی وجہ) تلاش نہیں کی جائے گی۔

شرعی تعریفیں:

جیسا کہ حکمِ شرعی کی تعریف ہے کہ: "وہ بندوں کے افعال سے متعلق شارع کا خطاب ہے"۔ اور فرض کی تعریف یہ ہے کہ: "وہ جسے کرنے کا مطالبہ طلبِ جازم (حتمی طور پر) ساتھ ہو۔ یا جس کے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر سزا ملے"۔ اسی طرح حرام وہ ہے: "جس سے حتمی طور پر منع کیا گیا ہو یا جس کے کرنے پر سزا ہو"۔

غیر شرعی تعریفیں:

مثال کے طور پر فکر و عقل اور عملی طریقہ کی تعریف، یا معاشرے کی تعریف وغیرہ۔ یہ واقعاتی اشیاء کی تعریفیں ہیں۔ پس فکر و عقل اور ادراک کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی کسی حقیقت کو سابقہ معلومات کے ساتھ، احساس کے واسطے سے، دماغ کی طرف منتقل کرنا، تاکہ وہ ان کے ذریعے حقیقت کی وضاحت کرے۔ کسی فکر کے پائے جانے کے لیے ان چار اشیاء کا بیک وقت پایا جانا

ضروری ہے۔ حقیقت کا وجود، درست دماغ کا وجود، احساس کا وجود اور سابقہ معلومات کا وجود۔ پس کسی بھی فکر، عقل یا ادراک کے لیے ان چاروں اشیاء کا بیک وقت پایا جانا لازمی ہے۔

عقلی طریقہ کار:

یہ اشیاء کو جاننے کے لیے اختیار کیا جانے والا ایک طریقہ کار ہے، جسے عقل افکار تک پہنچنے کے لیے اختیار کرتی ہے۔ یعنی یہ اُس کیفیت کا نام ہے جس کے ذریعے عقل افکار کو جنم دیتی ہے۔ جس چیز کے بارے میں تحقیق کی جارہی ہو، اس کی حقیقت تک پہنچنے کے لیے یہ سوچ بچار اور عقلی طور پر غور کرنے کا طریقہ ہے۔ اس کا ایک مخصوص طریقۂ کار ہے، جس کے ذریعے اس چیز کی حقیقت کو سابقہ معلومات کے واسطے سے دماغ تک منتقل کیا جاتا ہے، جو اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے اس کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کرتا ہے۔ اور یہی فیصلہ فکر یا عقلی ادراک کہلاتا ہے۔ یہ طریقہ محسوس مواد کی بحث کا ہے، مثلاً فقہ اور ادب وغیرہ۔ یہی طریقۂ کا رکسی چیز کی گہرائی تک پہنچنے کے لیے طبعی اور اصلی طریقہ ہے۔ اور اس پر چلنے سے ہی تمام اشیاء کی حقیقت کو معلوم کیا جاسکتا ہے۔ صرف اسی راستے پر چل کر انسان بحثیتِ انسان اس چیز کی حقیقت کو پاسکتا ہے، جسے وہ معلوم کرنا چاہتا ہو۔

علمی (سائنسی) طریقہ کار:

جس چیز کے بارے میں تحقیق کی جارہی ہو، اس کی حقیقت کو معلوم کرنے کے لیے جستجو کا یہ وہ طریقۂ کار ہے، جس میں اس چیز کے بارے میں تجربات کیے جاتے ہیں۔ اور یہ تحقیق صرف

محسوس مواد ہی کے بارے میں ہو سکتی ہے یہ طریقۂ کار افکار کے بارے میں اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ صرف تجرباتی علوم کے ساتھ خاص ہے۔ اور یہ یوں ہو گا کہ اس مادے کو اس کے اصلی حالات یا اسباب کے علاوہ دیگر حالات اور اسباب کے تابع کیا جائے۔ اور دوسرے حالات کو ملاحظہ کیا جائے۔ پھر مادے پر کی جانے والی اس کاروائی سے وہ حقیقت معلوم کی جائے، جسے محسوس بھی کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ لیبارٹریوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ علمی طریقے سے تحقیق کرنے والا جس نتیجے پر پہنچتا ہے، وہ قطعی نہیں ہوتا بلکہ وہ مشتبہ ہوتا ہے۔ اس میں غلطی ہوسکتی ہے اور علمی طریقے میں غلطی کا ہونا ان طے شدہ بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے، جو علمی بحث میں تسلیم کی جاتی ہیں۔ اور یہ طریقہ عقلی طریقہ کا ایک جزو ہے، نہ کہ یہ فکری بنیاد ہے۔ کیونکہ اسے بنیاد نہیں بنایا جاسکتا اور یہ ایسی بنیاد فراہم نہیں کرتا کہ جس پر تعمیر کی جائے۔ اگر یہ اصل قرار دیا جائے تو اس سے کئی معارف اور حقائق بحث کے دائرے سے نکل جاتے ہیں۔ اسی طرح اس کے نتیجے میں ایسے کئی طے شدہ حقائق کی نفی لازمی آتی ہے جو عملاً موجود ہیں اور جنہیں محسوس کیا جاسکتا ہے۔

معاشرہ:

یہ لوگوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کو ایک جیسے افکار، احساسات اور نظام مربوط کرتے ہیں۔ یہ افراد کا ایسا مجموعہ ہے جن میں باہم تعلقات ہوتے ہیں۔ یہ محض لوگوں کا مجموعہ نہیں، کیونکہ صرف مجموعہ تو جماعت بھی ہوسکتی ہے، معاشرہ نہیں ہو سکتا۔ جو چیز معاشرے کو اکھٹا کر سکتی ہے، وہ تعلقات ہیں۔ دوسرے الفاظ میں معاشرہ افراد، افکار، احساسات اور نظاموں کا مجموعہ

ہو تا ہے۔ اور معاشرے کی اصلاح اس کے افکار، احساسات اور اس میں رائج نظاموں کی اصلا ح سے ہو سکتی ہے۔ اسی طرح تعلقات کی اصلاح کے ذرائع بھی مختلف ہیں۔ اور اسی بناء پر معاشرے بھی مختلف ہیں۔ مثلاً اسلامی معاشرہ ،اشتراکی معاشرہ اور سرمایہ دارانہ معاشرہ وغیرہ۔

دنیا میں موجود نظریات:

دنیا میں تین نظریات موجود ہیں: اسلام، سرمایہ دارانہ جمہوریت اور اشتراکیت

سرمایہ دارانہ جمہوریت:

یہ مغربی ممالک اور امریکہ کا نظریہ ہے، اور یہ نظریہ دین کو حکومت اور زندگی سے جدا رکھنے کے اصول پر قائم ہے: دَعْ مَا لِقَيْصَرٍ لِقَيْصَرٍ وَمَا لِلّٰهِ لِلّٰهِ "جو قیصر کا وہ قیصر کو دو۔ اور جو اللہ کا ہے، وہ اللہ کو دو"۔

اس لیے اس نظریہ میں زندگی کے نظاموں کو انسان خود وضع کرتا ہے۔ یہ نظریہ کفر ہے اور اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ شارع اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی اکیلا ہے، جس نے انسانیت کے لیے نظام وضع کیا۔ حکومت کو اسلامی احکامات کا حصہ بنایا اور یہ لازم کیا کہ زندگی کے تمام امور کو شریعت کے احکامات کے مطابق سنوارا جائے۔ اسی لیے مسلمانوں پر حرام ہے کہ وہ سرمایہ دارانہ جمہوریت کو اپنائیں یا اس کے افکار و قوانین کو اختیار کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نظریہ کفر ہے اور اس کے قوانین بھی کفریہ ہیں، جو اسلام سے متصادم ہیں۔

آزادی کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر:

سرمایہ دارانہ نظام کے افکار کی بنیاد یہ ہے کہ انسان کی آزادیوں کی حفاظت کی جائے۔ اور یہ آزادیاں، عقیدے کی آزادی، رائے کی آزادی، ملکیت کی آزادی اور شخصی آزادی پر مشتمل ہیں۔ ملکیت کی آزادی کے نتیجے میں سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام، جو خالصتاً منفعت اور ذخیرہ اندوزی پر مبنی ہے، وجود میں آتا ہے۔ اس کے ذریعے کافر مغربی ممالک نے عوام کو مغلوب کرنے اور ان کی دولت کو لوٹنے کا بازار گرم کر رکھا ہے۔

یہ چاروں آزادیاں اسلام سے متصادم ہیں۔ کیونکہ ایک مسلمان عقیدے کے لحاظ سے آزاد نہیں۔ چنانچہ جب وہ مرتد ہو جائے تو اس کو قید کیا جائے گا۔ اگر توبہ نہ کرے تو پھر اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ)

"جو اپنا دین تبدیل کرے، اسے قتل کر دو" (بخاری)

اسی طرح مسلمان کو رائے کی آزادی بھی حاصل نہیں، بلکہ اسلامی رائے ہی اس کی رائے ہو گی، اور کسی مسلمان کے لیے غیر اسلامی رائے رکھنا جائز نہیں۔ مسلمان ملکیت میں بھی آزاد نہیں، وہ صرف شرعی سبب ہی سے کسی چیز کا مالک ہو سکتا ہے۔ لہٰذا وہ از خود جس چیز کا چاہے، مالک نہیں بن سکتا۔ بلکہ وہ خاص اسباب ہی سے مالک ہونے کا پابند ہے۔ ان اسباب کے علاوہ کسی اور

طریقے سے وہ مالک نہیں بن سکتا، یا کسی بھی غیر شرعی اور ممنوعہ طریقے سے وہ کسی چیز کا مالک ہرگز نہیں ہو سکتا۔

شخصی آزادی کا بھی اسلام میں کوئی وجود نہیں۔ کوئی بھی مسلمان شخصی طور پر آزاد نہیں، بلکہ وہ شرع کا پابند ہے۔ لہٰذا اگر کوئی نماز نہ پڑھے یا روزہ نہ رکھے، یا نشہ کرے، یا زنا کا ارتکاب کرے تو اسے سزا دی جائے گی۔ اسی طرح عورت بغیر پردے کے باہر نکلے، تو سزا ہو گی۔ چنانچہ مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام میں موجود آزادیوں کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ یہ مکمل طور پر اسلام سے متصادم ہیں۔

سرمایہ دارانہ مبدأ کے نمایاں ترین افکار میں ایک جمہوریت ہے۔ اس کے متعلق وضاحت درجِ ذیل ہے۔

جمہوریت کے بارے میں اسلام کی رائے:

جمہوریت عوام کے ذریعے عوام پر عوام کی حکومت کا نام ہے۔ جمہوری نظام کی بنیاد یہ ہے کہ عوام ہی کے پاس اختیار اور قیادت ہو، اور احکامات کو نافذ کرنے کی قوت بھی ہو، اور وہی اپنے ارادوں کو پورا کریں۔ کیونکہ وہی خود اپنے سربراہ ہیں، لہٰذا ان کا کوئی دوسرا سربراہ نہیں ہے۔ چنانچہ قانون ساز بھی وہی ہیں، جو قانون بنانا چاہیں، بنائیں اور جس قانون کو ختم کرنا چاہیں، ختم کر دیں۔ اگر وہ خود یہ کام نہیں کر سکتے تو وہ اپنے نمائندے چنیں گے جو قانون نافذ کرنے کا حق رکھتے ہوں گے تاکہ وہ ان کی نمائندگی کریں۔ چونکہ یہ بہت مشکل تھا کہ سارے کے سارے

عوام خود حکومت کریں، لہٰذا عوام اپنے تجویز کردہ قوانین کے نفاذ کے لیے اپنے نمائندوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ چنانچہ مغربی سرمایہ دارانہ نظام میں عوام ہی طاقت کا سرچشمہ ہیں۔ پس عوام ہی حکمران اور وہی قانون ساز ہیں۔ جمہوریت کا یہ نظام کفر ہے، کیونکہ یہ انسان کا وضع کردہ ہے، شریعت کا حکم نہیں۔ لہٰذا اس نظام کے ذریعے حکومت کرنا کفر کے ساتھ حکومت کرنا ہے، اور اسی طرح اس کی طرف دعوت دینا کافرانہ نظام کی طرف دعوت دینا ہے۔ چنانچہ اس کی طرف دعوت دینا، یا کسی بھی حالت میں اسے اختیار کرنا جائز نہیں۔

یہ جمہوری نظام اسلامی احکامات کے خلاف ہے، اور مسلمان اپنے تمام اعمال میں اللہ کے احکامات کی پابندی کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ مسلمان اللہ کا بندہ ہے، چنانچہ اس کے ارادے بھی اللہ کے احکام کے تابع ہونے چاہییں۔ امت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے ارادوں کو اپنی خواہشات کے تابع کرے۔ کیونکہ انہیں حاکمیت حاصل نہیں۔ حاکمیت تو شریعت کو حاصل ہے ،جو اس کے ارادوں کی بھی مالک ہے۔ لہٰذا امت کو قانون سازی کا کوئی حق نہیں۔ قانون ساز صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر پوری امت بھی جمع ہو کر اللہ کے کسی حرام کیے ہوئے کو حلال کرنا چاہے، تو نہیں کر سکتی۔ مثلاً سود حرام ہے، ذخیرہ اندوزی یا زناکاری یا شراب خوری وغیرہ میں سے کسی کو پوری امت بھی قانون سازی کے ذریعے حلال نہیں کر سکتی۔ ان احکامات کے مقابلے میں پوری امت کے اجماع کی بھی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ پھر بھی اگر کوئی اصرار کرے تو اس سے قتال کیا جائے گا۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اختیار اور خدائی قانون کو نافذ کرنے کا حق امت کو تفویض کیا ہے۔ امت کو اپنے حاکم کے انتخاب اور اس کے تقرر کا حق حاصل ہے۔ تاکہ وہ

اس کی نمائندگی کرتے ہوئے احکامات کو نافذ کرے۔ اور حاکم کے تقرر کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے بیعت کی صورت میں بتادیا ہے، اور اسی سے حاکمیت اور اختیار کا فرق بھی معلوم ہوتا ہے۔ حاکمیت شرع کو حاصل ہے اور اختیار امت کو۔

کمیونزم:

کمیونزم ایک مادی مبدأ ہے، جو مادے کے علاوہ ہر چیز کے انکار کی بنیاد پر قائم ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ مادہ ہی ازلی ہے۔ اس کا کوئی اول و آخر نہیں۔ یہ کسی خالق کی مخلوق بھی نہیں، اور خالق کا بھی کوئی وجود نہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن کا بھی کوئی وجود نہیں۔ وہ دین کو عوام اور اقوام کے لیے ایک افیون قرار دیتے ہیں۔

یہ ایک مادی مبدأ ہے، جو مادی اور تاریخی ترقی کے نظریے پر قائم ہے۔ ———— چنانچہ مادہ ہی اشیاء کی بنیاد ہے اور اشیاء کا صدور مادے ہی کا مرہون منت ہے۔ اور ترقی کے طریقے مادے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس میں نظام آلاتِ پیداوار سے اخذ کیا جاتا ہے اور نظام آلاتِ پیداوار کی ترقی سے ترقی کرتا ہے۔ اس میں معاشرہ ایک عوامی مجموعہ ہے، جو زمین، ذرائع پیداوار، طبیعۃ (فطرت) اور انسان پر مشتمل ہے۔ یہ سب شئ واحد ہیں اور یہ شئ واحد ایک مادہ ہے۔ جب طبیعۃ اور جو کچھ اس میں ہے، ترقی کرتا ہے، تو اس کے ساتھ انسان بھی ترقی کرتا ہے اور پھر پورا معاشرہ ترقی کرتا ہے۔ اس وجہ سے اس (مبدأ) میں معاشرہ ترقی کے سامنے سرنگوں ہے۔ جب معاشرہ ترقی کرتا ہے، تو فرد بھی اس کے ساتھ ترقی کرتا ہے۔ چنانچہ وہ (فرد) اس (معاشرے) کے گرد اس طرح گھومتا ہے جس طرح پہیہ گراری کے گرد۔

کمیونزم ذرائع پیداوار کی انفرادی ملکیت سے بھی روکتا ہے اور ان کو مملکت کی ملکیت قرار دیتا ہے۔

کمیونزم ایک کفریہ مبدأ ہے۔ اس کے افکار کفریہ ہیں، اس کا نظام کفر ہے اور وہ اسلام کے ساتھ کلی اور جزوی ہر لحاظ سے متناقض ہے۔ کیونکہ اسلام نے کہا اور اس کو ثابت کیا کہ مادہ مخلوق ہے، ازلی نہیں، اور وہ فانی ہے۔ انسان اور کائنات، اور جو کچھ اس میں ہے، وہ سب ایک خالق کی مخلوق ہیں۔ اور نظام اللہ ہی کی طرف سے ہو گا، نہ کہ مادے کی ترقی یا ذرائع پیداوار یا کسی انسان کی طرف سے۔ اور معاشرہ انسان، افکار، احساسات اور نظاموں کا مجموعہ ہے۔ معاشرے کی شناخت وہاں کے رائج نظام سے ہوتی ہے۔ چنانچہ جس معاشرے میں اسلامی نظام نافذ ہو گا، وہ معاشرہ اسلامی کہلائے گا، چاہے وہاں پر موجود ذرائع پیداوار کی نوعیت کچھ بھی ہو۔ اور جس معاشرے میں سرمایہ دارانہ نظام نافذ اور رائج ہو گا، اس کو سرمایہ دارانہ معاشرہ کہا جائے گا۔ اور جس معاشرے میں کمیونزم کا نظام نافذ ہو گا، وہ کمیونسٹ معاشرہ کہلائے گا۔ باوجودیکہ اس میں جو ذرائع پیداوار ہیں، سرمایہ دارانہ معاشرے میں بھی بعینہٖ وہی ذرائع پیداوار ہیں۔

تہذیب و تمدن:

تہذیب زندگی کے بارے میں تصورات کے مجموعے کو کہتے ہیں، اور تمدن یا مدنیت ان محسوس مادی اشکال کو کہا جاتا ہے، جو زندگی کے مختلف پہلوؤں میں مستعمل ہوتے ہیں۔ تہذیب زندگی کے بارے میں ایک خاص نظریئے کی حامل ہوتی ہے۔ چنانچہ اسلامی تہذیب مغربی اور

کمیونسٹ تہذیب سے بالکل مختلف ہے۔ کیونکہ ان تہذیبوں میں سے ہر ایک کا ایک خاص نقطۂ نظر ہے، جو دوسری تہذیبوں سے یکسر مختلف ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے مغربی تہذیب یا کمیونسٹ تہذیب سے کچھ لینا ہر گز جائز نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں اسلام سے متناقض ہیں۔ اور جہاں تک تمدن (شہریت) کی بات ہے، تو یہ تہذیب کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ اُن چیزوں کی تصاویر اور مجسمے، جن میں روح ہوتی ہے۔ اسلامی تہذیب میں مجسمہ سازی اور ذی روح چیزوں کی تصویر سازی حرام ہے۔ جبکہ مغربی اور کمیونسٹ تہذیب میں یہ چیزیں مباح ہیں۔ جب تمدن علمی اور صنعتی ترقی کا نتیجہ ہو، جیسا کہ ذرائع مواصلات، جہاز، کشتیاں، گاڑیاں، زرعی اور صنعتی پیداوار کے آلات، جنگ کے جدید آلات اور اسی طرح دوسری انسانی ایجادات اور دریافتیں، جو علمی ترقی کے سبب ہوئیں۔ اسی طرح صنعتی ترقی کی وجہ سے جو ایجادات ہوئیں، مثلاً مشینی دماغ (کمپیوٹر) وغیرہ۔ تو یہ سب چیزیں عالمی چیزیں ہیں۔ یہ تمام عالم کے لیے ہیں اور کسی تہذیب کے ساتھ خاص نہیں، یا ان پر کسی خاص امت یا دین کی اجارہ داری نہیں۔ بلکہ یہ تمام انسانوں کے لیے ہیں۔ کیونکہ ان کا تہذیب اور زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر سے کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا ان کو حاصل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ اسلامی احکامات کے منافی نہیں۔ بلکہ ان کا حصول فرضِ کفایہ ہے۔

اسلام میں نظام حکمرانی کے احکامات:

اسلامی حکومت:

اسلام نے یہ کہہ کر اسلامی حکومت کی حدود متعین کر دیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق ہو گی۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَہُمْ بِمَااَنزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھوَاءَ ھُم وَاحْذَرْھُمْ اَنْ یَّفتِنُوکَ عَن بَّعْضِ مَا اَنزَلَ اللّٰہُ اِلَیکَ﴾(المائدۃ:49)

"اور یہ کہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں، اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ اور ان سے محتاط رہیں کہ کہیں یہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (بعض احکامات) کے بارے میں آپ کو فتنے میں نہ ڈال دیں"۔

اور فرمایا:

﴿فَاحْکُمْ بَیْنَہُمْ بِمَا اَنزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھوَاءَ ھُمْ عَمَّا جَآئَکَ مِنَ الحَقِّ﴾(المائدۃ:48)

"پس ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں، اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے، اس کے مقابلے میں ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں"۔

پس ہر حکومت اللہ تعالیٰ کے ان نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلے کرنے کی پابند ہے، یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول ا کے مطابق۔ یہی اسلامی شرعی حکومت ہے، یعنی یہی اسلامی شرعی اقتدار ہے۔

اسلام میں نظامِ حکومت کی تشکیل:

اسلام نے نظامِ حکومت کے لیے خلافت کو متعیّن کر دیا اور صرف اسی کو مملکت کے لیے نظامِ حکومت قرار دے دیا۔ مسلم نے ابو حازم سے روایت کی ہے انہوں نے کہا: "میں نے ابو ہریرۃ کے پاس پانچ سال گزارے اور ان کو سنا، وہ نبیؐ سے یہ حدیث بیان کرتے تھے:

(كَانَتْ بَنُوْ اِسرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الاَنبِيَاءُ ، كُلَّمَاهَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَاِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعدِى ، وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ تَكثُرُ)

"بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات پاتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا، جبکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، بلکہ بڑی کثرت سے خلفاء ہوں گے" (مسلم)

اس معاملے میں یہ حدیث واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اسلامی نظامِ حکومت خلافت کی شکل میں ہو گا۔ اس کے علاوہ اس کی تائید میں کئی اور احادیث ہیں، جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں نظامِ حکومت صرف خلافت ہے۔ جیسا کہ یہ حدیث: (سَيَكُوْنُ بَعْدِىْ أَئِمَّةٌ) "میرے بعد امام ہوں گے" (رواہ حاکم فی مستدرک) اور یہ حدیث: (اِذَا بُوْيِعَ لِخَلِيْفَتَيْن) "جب دو خلفاء کے لیے بیعت کی جائے" (مسلم) وغیرہ۔ بلکہ کئی احادیث ایسی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اسلام کا نظامِ حکومت صرف خلافت ہی ہے۔

خلیفہ کے تقرر کا طریقہ:

اسلام نے خلیفہ کے تقرر کا طریقہ متعیّن کر دیا ہے جو بیعت ہے۔ نافع نے ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ میں نے عمرؓ کو سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهِ بَيْعَةٌ ، مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً)

"اور جو کوئی اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں (خلیفہ کی) بیعت (کا طوق) نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا"۔ (مسلم)

اور عبادہ بن الصامتؓ فرماتے ہیں کہ:

(بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ ، فِي الْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ ، وَاَنْ لَّا نُنَازِعَ اْلامْرَ اَهْلَهُ وَاَنْ نَّقُوْمَ اَوْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ حَيْثُمَا كُنَّا لَانَخَافُ فِى اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ)

"ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پسند اور ناپسند (دونوں حالتوں میں) سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی۔ اور اس بات پر کہ ہم اولو الامر کے ساتھ نزاع نہیں کریں گے۔ اور ہم حق کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے، یا حق بات کہہ دیں گے جس حالت میں بھی ہوں گے۔ اور اللہ کے معاملے میں کسی بھی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔" (بخاری)

ایک اور حدیث میں ہے:

(اِذَا بُوْيِعَ لِخَلِيْفَتَيْنِ، فَاقْتُلُواالْاٰخَرَمِنْهُمَا)

"جب دو خلفاء کے لیے بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کر دو"۔ (مسلم)

یہ تمام احادیث اس بات پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ خلیفہ کو منصب پر فائز کرنے کا طریقہ بیعت ہے اور اجماع صحابہؓ بھی اسی پر ہے۔ اس لیے جو بھی حکومت یا اقتدار خلافت کے نظام پر قائم ہو، اس میں خلیفہ کا تقرر بیعت کے ذریعے ہوا ہو، اور حکومت اللہ کے نازل کردہ احکامات یعنی کتاب اللہ اور سنتِ رسول ا کے مطابق کی جارہی ہو، وہی اسلامی شرعی حکومت یا اسلامی شرعی اقتدار ہے۔ مسلمان جو بھی خلیفہ مقرر کریں اوراس کی بیعت کریں، وہ شرعاً خلیفہ اور واجب الاطاعت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بادشاہی نظام اسلامی نظام نہیں۔ اسلام بادشاہی نظام کی بالکل اجازت نہیں دیتا، چاہے بادشاہ برائے نام ہی ہو، جیسا کہ برطانیہ اور ہسپانیہ وغیرہ میں ہے۔ کیونکہ خلیفہ برائے نام نہیں ہوتا، بلکہ وہ حکمران، شریعت کو نافذ کرنے والا اور امت کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اور خواہ بادشاہ اگرچہ حاکم اور سربراہ بھی ہو، جیسا کہ سعودی عرب اوراردن وغیرہ میں ہے۔ کیونکہ خلافت بادشاہت کی طرح کسی کو میراث میں نہیں ملتی۔ بلکہ لوگ خلیفہ کا انتخاب کرتے ہیں اور اس کی بیعت کرتے ہیں۔ چنانچہ اسلام میں حکمرانی میراث کے طور پر حاصل کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح خلیفہ کا کسی عام مسلمان سے بڑھ کر کوئی مخصوص حق نہیں ہوتا۔ وہ قانون سے بالاتر نہیں ہوتا، جبکہ بادشاہ اپنے آپ کو احتساب سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ خلیفہ تو اللہ کے احکامات کا پابند ہوتا ہے اور تصرفات میں اس کا محاسبہ بھی ہوتا ہے۔

اس طرح جمہوری نظام بھی ایک غیر اسلامی نظام ہے۔ اسلام اس کی بالکل اجازت نہیں دیتا۔ خواہ یہ صدارتی نظام ہو، جیسا کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ہے، یا پارلیمانی نظام ہو، جس

طرح کہ جرمنی میں ہے۔ کیونکہ جمہوری نظام جمہوری تصور کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے جو حکومت کو عوام کا حق سمجھتی ہے۔ جبکہ خلافت کے نظام کی بنیاد یہ ہے کہ حکمرانی شریعت کی ہے۔ چنانچہ خلیفہ کو صرف حکمِ شرعی ہی معزول کر سکتا ہے۔ یعنی جب وہ شرع کی مخالفت پر اتر آئے تو اسے معزول کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اور یہ اختیار صرف محکمۃ المظالم کے پاس ہوتا ہے کہ وہ خلیفہ کی طرف سے خلافِ شرع امور کے ارتکاب کی وجہ سے اسے معزول کرے، کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَااَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوااللّٰهَ وَاَطِيْعُواالرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِمِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾

"اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولو الامر (حکمرانوں) کی بھی۔ اگر کسی معاملے میں تم آپس میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔" (النساء:59)

اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی طرف لوٹا دو۔ اور یہ محکمۃ المظالم ہی ہے جو اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کی نمائندگی کرتا ہے، یعنی اسے خلیفہ کو معزول کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ اس کے برعکس نظامِ جمہوریت میں عوام اپنے حکمران کو معزول کر سکتے ہیں، کیونکہ جمہوریت میں حاکمیت عوام ہی کے پاس ہوتی ہے۔

خلیفہ کا تقرر کسی خاص اور معیّن وقت تک کے لیے نہیں ہو تا، بلکہ وہ اس وقت تک خلیفہ ہے جب تک کہ وہ اسلام کو نافذ کر تا رہے۔ اگر وہ اسلام کو نافذ نہ کرے تو اسے معزول کیا جائے گا، خواہ اس کے تقرر کو ایک مہینہ بھی نہ ہوا ہو۔ جبکہ کسی جمہوریہ کا صدر ایک مقررہ مدت تک اپنے عہدے پر بر قرار رہتاہے۔ اس کے علاوہ پارلیمانی نظام میں جمہوریہ کے صدر کے ساتھ وزیر اعظم بھی ہو تا ہے، اور صدر صرف برائے نام ہو تا ہے۔ وہ کوئی حکم صادر نہیں کر سکتا، اور اصل حاکم وزیر اعظم ہو تا ہے۔ جبکہ خلافت میں خلیفہ خود حاکم ہو تا ہے، وہی براہ راست حکم دیتاہے اور وہی حکم کو نافذ کر تا ہے۔ اس کے ساتھ حکومت کرنے کے لیے وزارتی کابینہ نہیں ہوتی۔

صدارتی نظام میں اگرچہ صدر ہی براہِ راست حکم دیتاہے، لیکن اس کے ساتھ بااختیار وزراء بھی ہوتے ہیں۔ اور وہ صدر کے قائمقام ہوتے ہیں۔ اس کے بر خلاف خلافت کے نظام میں خلیفہ ہی براہ راست حکومت کر تاہے، اور جو اس کے ساتھ ہوتے ہیں، وہ صرف معاونین ہوتے ہیں۔ جمہوری نظام کے بر عکس خلیفہ جب سربراہ بنتاہے، تو وہ بحیثیت مملکت کے سربراہ کے ہو تاہے، نہ کہ محض حکومتی ادارے کے سربراہ کی حیثیت سے۔ پس جمہوری نظام اور خلافت کے نظام میں بہت فرق ہے۔ لہٰذا اسلامی ریاست کو اسلامی جمہوریہ کہنا درست نہیں۔ اسی طرح یہ کہنا کہ " اسلام میں جمہوریت ہے " بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اسلام اور جمہوریت کے درمیان مکمل تناقض اور تضاد ہے۔

خلافت کا ایک ہونا:

اسلام کا حکومتی نظام ،یعنی خلافت، وحدت کا نظام ہے۔ یعنی ریاستِ واحد کا، نہ کہ مختلف ریاستوں کے اتحاد کا۔ اور تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک وقت میں ایک سے زیادہ اسلامی ریاستوں کا ہونا جائز نہیں۔ اسی طرح ایک سے زیادہ خلیفہ کا ہونا بھی جائز نہیں، جو مسلمانوں پر کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کو نافذ کرے، یعنی شریعت کا نفاذ کرے۔ کیونکہ شریعت نے اسی کا حکم دیا ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت بالکل جائز نہیں۔ جیسا کہ عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت ہے ،وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

(وَمَنْ بَايَعَ اِمَامًا فَاَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهِ وَثَمَرَةَ قَلْبِهِ فَلْيُطِعْهُ، إن اسْتَطَاعَ فَاِنْ جَآءَ آخَرُ يُنَازِعهُ فَاضرِبُوا عُنُقَ الآخَرِ)

"اور جو شخص امام (خلیفہ) کی بیعت کرے تو اسے اپنے ہاتھ کا معاملہ اور دل کا پھل دے دے (یعنی سب کچھ اس کے حوالہ کر دے)، اور اسے چاہیے کہ وہ حسبِ استطاعت اس کی اطاعت بھی کرے۔ اور اگر کوئی دوسرا شخص آئے اور خلیفہ سے تنازع کرے تو دوسرے کی گردن اڑا دو"(مسلم)

اور یہ حدیث بھی ہے جو ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(اِذَا بُوْيِـعَ لِخَلِيْفَتَيْنِ ، فَاقْتُلُوا الْاٰخَرَ مِنْهُمَا)

"جب دو خلفاء کے لیے بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کر دو۔"(مسلم)

اور عرفجہؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

(مَنْ أَتَاكُمْ ، وَأَمْرُكُمْ جَمِيْعٌ عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُرِيْدُ أنْ يَّشُقَّ عَصَاكُمْ، أوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ، فَاقْتُلُوْهُ)

"اگر تم متحد ہو اور کوئی شخص تمہاری صفوں میں رخنہ ڈالنا چاہے یا تمہاری جماعت میں تفرقہ ڈالے، تو اسے قتل کر دو"۔ (مسلم)

ان سب احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کا ایک سے زیادہ خلیفہ ہونا جائز نہیں۔ ایک خلیفہ کی موجودگی کی صورت میں یا ایک کی بیعت کیے جانے کے بعد دوسرے کی بیعت کی جائے، تو پہلا خلیفہ ہی برقرار ہو گا اور دوسرے کو قتل کیا جائے گا، الّا یہ کہ وہ خود معزول اور دستبردار ہو جائے۔ ایک خلیفہ کی موجودگی میں کوئی دوسرا خلافت کا دعویٰ کرے یا مملکت کو تقسیم کرنے کے لیے تنازعہ کرے، تو اسے قتل کرنا واجب ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ مسلمانوں کی ایک سے زیادہ ریاست کا ہونا جائز نہیں۔ اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی یہ ریاست وحدت کی بنیاد پر ہو گی، نہ کہ اتحاد کی بنیاد پر (یعنی کئی ریاستوں کا اتحاد ہو)۔

اسلامی حکومت کے قواعد:

اسلام میں نظامِ حکومت کے چار بنیادی قواعد ہیں، اور وہ یہ ہیں:

1) اقتدارِ اعلیٰ شریعت کو حاصل ہے، امت کو نہیں:

مسلمان یا مسلم امت اپنے ارادے کی خود مالک نہیں۔ بلکہ ایک مسلمان فرد اور امت کا ارادہ اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کے تابع ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَاوَرَبِّکَ لَا یُؤمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ﴾ (النساء:65)

"(اے محمد ا) آپ کے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپ کو اپنے اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں"

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَاکَانَ لِمُؤمِنٍ وَّلَا مُؤمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (الاحزاب:36)

"اللہ اور اس کا رسول جب کوئی فیصلہ کریں تو کسی مومن مرد یا عورت کے لیے اس فیصلہ میں کوئی اختیار نہیں"۔

اسی طرح ارشاد ہے:

﴿یَااَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوااللّٰهَ وَاَطِیْعُواالرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِمِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾(النساء:59)

"اے ایمان والو! اللہ اور رسول اکی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولوالامر (حکمرانوں) کی بھی۔ اگر کسی معاملے میں تم آپس میں جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور رسول اکی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(لَایُؤمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئتُ بِهِ)

"تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس کی تمام خواہشات اُس دین کے تابع نہ ہوں، جسے میں لے کر آیا ہوں"۔ (اخرجہ الحسن بن سفیان بسند صحیح النووی)

ان دلائل سے یہ واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ اقتدار اعلیٰ شریعت کو حاصل ہے، امت کو نہیں۔

2) اتھارٹی امت کے ہاتھ میں ہے:

یہ بات واضح ہے کہ اختیار یعنی حکومت اس طرح امت کی ہو گی جس طرح کہ شریعت نے خلیفہ کے تقرر کا طریقہ بیعت کے ذریعے بتایا ہے۔ اسی بیعت کے ذریعے سے خلیفہ منصبِ حکمرانی پر فائز ہو گا اور امت کے ایک نمائندے کی حیثیت سے حکومت کرے گا۔ اس بات سے کہ ' خلیفہ بیعت ہی کے ذریعے سے حکمران بن سکتا ہے 'یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اتھارٹی امت کے ہاتھ میں ہے۔ اور جسے امت چاہتی ہے یہ اتھارٹی اس کے حوالے کر دے دیتی ہے۔

جس طرح کہ کئی واضح اور صریح احادیث میں ہے کہ امت ہی امیر کا انتخاب کرتی ہے، اور اس کی بیعت کرتی ہے۔ چنانچہ عبد اللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

(وَلَایَحِلُّ لِثَلَاثَةٍ نَفَرٍ يَكُوْنُوْنَ بِاَرْضٍ فَلَاةٍ اِلَّا اَمَرُوْا عَلَيْهِمْ اَحَدَهُمْ)

"تین آدمی اگر کسی بیابان میں بھی ہوں تو ان کے لیے بغیر امیر کے رہنا جائز نہیں۔ بلکہ وہ ایک کو اپنا امیر بنائیں" (رواہ احمد)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امارت امت کی ہے۔ اور بیعت کے بارے میں گزشتہ احادیث میں بھی یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ یہ امت کی جانب ہی سے ہو گی۔

3) تمام مسلمانوں پر حکومت کرنے کے لیے اپنے نمائندے کی حیثیت سے ایک خلیفہ کا تقرر فرض ہے:

خلیفہ کے تقرر اور اپنے اس امیر کی اطاعت کی فرضیت کے بارے میں کئی احادیث کا ذکر ہو چکا ہے۔ اجماع صحابہؓ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

4) صرف خلیفہ ہی کو احکامِ شرعیہ کے اختیار کرنے اور ان کو مملکت میں نافذ کرنے کا حق حاصل ہے۔ اور اسی کو قوانین اور دستور بنانے کا بھی حق حاصل ہے:

یہ بات اجماع صحابہؓ سے ثابت ہے کہ صرف خلیفہ ہی کو احکامات کے اختیار کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ یہ قواعد اجماع صحابہؓ سے اخذ کیے گئے ہیں:

1) اَمْرُ الْاِمَامِ يَرْفَعُ الْخِلَافِ "امام کا حکم اختلاف کو ختم کرتا ہے۔"

2) اَمْرُ السُّلْطَانِ نَافِذ "سلطان (شرعی اقتدار کا حامل شخص) کا حکم نافذ ہوتا ہے۔"

3) لِلسُّلْطَانِ اَنْ يُّحْدِثَ مِنَ الْاَقْضِيَةِ بِقَدْرِ مَا يُحْدِثُ مِنْ مُشْكِلَاتٍ "سلطان نئے مسائل کے لیے بقدرِ ضرورت نیا حل تلاش کرتا ہے"۔

اسلامی ریاست کا ڈھانچہ:

ریاست کا ڈھانچہ مندرجہ ذیل ارکان پر مشتمل ہوتا ہے:

1) خلیفہ (ریاست کا سربراہ)
2) معاونین (وزرائے تفویض)
3) وزرائے تنفیذ
4) والی
5) امیر جہاد
6) اندرونی سلامتی
7) خارجی امور
8) صنعت
9) عدلیہ
10) مفادِ عامہ کی دیکھ بھال کا انتظامی ڈھانچہ

11) بیت المال

12) میڈیا

13) مجلسِ امت (شوریٰ اور محاسبہ)

ریاستی ڈھانچے کے یہ ارکان رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ماخوذ ہیں۔ آپؐ نے مملکت کے لیے ایک ڈھانچہ بنایا۔ آپؐ خود ریاست کے سربراہ تھے۔ اس طرح آپؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ (آپؐ کے بعد) اپنے لیے خلیفہ منتخب کریں۔ آپؐ نے خود عمرؓ اور ابو بکرؓ کو اپنا معاون بنایا تھا، جیسا کہ ترمذی کی روایت ہے:

(وَاَمَّا وَزِيْرَایَ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ فَاَبُوْبَكرٍ وَعُمرُ)

اہلِ زمین میں میرے دو وزیر (معاون) ہیں، ابو بکر اور عمر"۔

وزیر لغت میں معاون کو کہتے ہیں۔ یہاں وزیر سے مراد مغربی جمہوری اصطلاح کا وزیر نہیں۔ آپؐ نے اپنے عہد میں کاتب مقرر کیے جو کہ وزرائے تنفیذ تھے۔ آپؐ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی ایسا ہی کیا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے صوبوں کے لیے والی مقرر کیے، جیسا کہ معاذؓ کو یمن کا والی مقرر کیا اور فتح مکہ کے بعد عتاب بن اسیدؓ کو مکہ کا والی مقرر کیا۔ اسی طرح آپ نے جہاد کے لیے امیر مقرر کیے اور لڑائی کے لیے لشکر تیار کیا اور آپؐ خود اس کے سپہ سالار تھے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے داخلی امن اور شرطہ کا اہتمام کیا۔ بخاری نے روایت کیا کہ قیس بن سعدؓ نبی ﷺ کے آگے آگے یوں ہوا کرتے تھے جیسے ایک حاکم کے ساتھ رئیسِ شرطہ ہوتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے خارجہ پالیسی کا بھی اہتمام کیا۔ آپ نے منجنیق

اور بکتر بند تیار کروائی۔ عدلیہ براہِ راست آپؐ کے ہاتھ میں تھی اور آپؐ نے قاضیوں کا بھی تقرر کیا، جو لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ علی بن ابی طالب ؓ کو یمن کا قاضی مقرر کیا اور دیگر قاضی مقرر کیے۔ جہاں تک انتظامی ڈھانچہ کا تعلق ہے تو آپؐ نے لوگوں کے مفادِ عامہ کے لیے کاتب مقرر کیے جو کہ مختلف محکموں کے ڈائریکٹرز کی مانند تھے۔ آپؐ نے معیقب بن ابی فاطمہ ؓ کو غنائم پر کاتب مقرر کیا اور خذیفہ بن یمان ؓ کو حجاز کے پھلوں کا اندازہ لگانے پر کاتب مقرر کیا۔ آپؐ نے مالی امور کا بھی اہتمام کیا۔ آپؐ مال کو مسجد میں پھیلا دیتے اور پھر اسے تقسیم کر دیتے یا پھر مخزن میں رکھوا دیتے اور پھر اسے تقسیم کرتے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں اموال کے رکھنے کی جگہ کو بیت المال کہا جانے لگا، جیسا کہ ابنِ سعد نے اپنی کتاب الطبقات میں بیان کیا ہے۔ یہی معاملہ اعلام (میڈیا) کا ہے جو کہ اہم امور میں سے ہے، اور اسے رسول ﷺ اور اہلِ امر کی طرف لوٹانے کا حکم دیا گیا ہے، قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا جَآءَ هُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ط وَلَوْرَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾

"جہاں انھیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی تو انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کر دیا، حالانکہ اگر یہ لوگ اسے رسول کے اور اپنے میں سے اہلِ اقتدار کے حوالے کر دیتے، تو وہ جو اُن میں تحقیق کرنے والے ہیں، اس کی تحقیق کر لیتے" (النساء: 83)

اور جیسا کہ بعض احادیث میں بیان کیا گیا۔ جہاں تک مجلسِ امت کی بات ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے کوئی مستقل مجلس مقرر نہیں کی، بلکہ آپؐ جب ضرورت پڑتی، مسلمانوں سے مشورہ

لے لیتے۔ چنانچہ اُحد کے دن آپؐ نے مسلمانوں کو جمع کیا اور ان سے مشورہ لیا۔ بعض دفعہ آپؐ معین شخصیتوں کو ہمیشہ مشورے کے لیے بلاتے، اور یہ افراد قوم کے نقیب (سربر آوردہ) تھے۔ ان میں حمزہ، ابوبکر، عمر، جعفر، علی، ابنِ مسعود، سلمان، عمار، حذیفہ، ابوذر، مقداد، سعد بن عبادہ، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ یہ ایک مجلس کی مانند تھے کہ جس سے آپؐ مشورہ لیا کرتے تھے۔

سیاسی جماعتیں:

سیاسی جماعتیں بنانا شرعاً مسلمانوں کا حق ہے۔ تاکہ حکمرانوں کا محاسبہ کیا جاسکے، یا امت کے ذریعے حکومت تک پہنچا جاسکے، بشرطیکہ ان جماعتوں کی بنیاد اسلامی عقیدہ پر ہو۔ اور وہ حل اور احکام، جو یہ جماعتیں اختیار کریں، وہ شرعی احکامات اور شرعی حل ہوں۔ سیاسی جماعت کے قیام کے لیے کسی اجازت کی بھی ضرورت نہیں، اور یہ جماعتیں متعدد بھی ہوسکتی ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلتَكُنْ مِّنْكُم اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأمُرُوْنَ بِالمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾(آل عمران:104)

"اور تم میں کم از کم ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرے۔ اور درحقیقت یہی لوگ کامیاب ہیں"۔

حکام کا محاسبہ:

اللہ تعالیٰ نے حکام کی اطاعت اور ان کے اعمال و تصرفات میں ان کے محاسبہ کا حکم دیا ہے۔ محاسبے کے بارے میں مسلمانوں کو حتمی حکم دیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس وقت حکمران کو ہٹا دینے کا حکم دیا ہے جب وہ اپنی رعایا کے حقوق غصب کریں، اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہ کریں یا کسی معاملے میں سستی کا مظاہرہ کریں، کسی شرعی حکم کی مخالفت کریں یا اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق حکومت نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(اَفْضَلُ الْجِہَادِ کَلِمَۃُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ)

"ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا افضل ترین جہاد ہے۔" (رواہ احمد)

اور آپؐ نے فرمایا:

(سَیِّدُ الشُّہَدَآءِ حَمْزَۃُ وَرَجُلٌ قَالَ إِلَی إِمَامٍ جَائِرٍ فَأَمَرَہُ وَنَہَاہُ فَقَتَلَہُ)

"شہداء کے سردار حمزہؓ ہیں اور وہ شخص بھی، جو ظالم حکمران کو نصیحت کرے اور وہ (حکمران) اسے قتل کر دے" (حاکم فی مستدرک)

اسلام کے مطابق کی جانے والی حکومت کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہے۔ یعنی وہ حکمران، جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق حکومت کرتا ہو اور کسی گناہ کے کام کا حکم نہ دے، اور اس کی حکمرانی میں صریح کفر ظاہر نہ ہوا ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یَااَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوااللّٰہَ وَاَطِیْعُواالرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ﴾(النساء:59)

"اے ایمان والو! اللہ اور رسول اکی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولوالامر (حکمرانوں) کی بھی"۔

چنانچہ مسلمان حاکم کی اطاعت اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق حکومت کرے اور کسی گناہ کے کام کا حکم نہ دے۔ اگر کسی گناہ کے کام کا حکم دے، تو اس کی اطاعت فرض نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا اَحَبَّ اَوْ كَرِهَ إِلاَّ أَنْ يُؤْمَرَ بِـمَعْصِيَةٍ فَإِنْ أُمِرَ بِـمَعْصِيَةٍ فَلاَ سَمْعَ وَلاَ طَاعَةَ)

"مسلمان پر پسندیدہ اور ناپسندیدہ (دونوں) احکام میں، (امیر کی) سمع واطاعت لازم ہے، جب تک کہ اسے معصیت (اللہ کی نافرمانی) کا حکم نہ دیا جائے۔ اور جب مسلمان کو معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر کوئی سمع واطاعت نہیں۔" (رواہ احمد)

پس حکمران کے خلاف خروج کو اُس وقت تک حرام قرار دیا ہے جب تک کہ وہ اسلام کے مطابق حکومت کرے، اگر چہ وہ ظلم کا ارتکاب کرے۔ کیونکہ اس ظلم کا حساب تو اس سے لیا جائے گا۔ لیکن اس کے ظلم کی وجہ سے اُس کے خلاف خروج اور جنگ جائز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ قِيدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الإِسْلاَمِ من عُنُقِهِ إِلَى أَنْ يَرْجِعَ)

"جو جماعت (امت جو اسلام کی حکمرانی تلے مربوط ہو) سے نکل گیا تو اس نے اسلام کا طوق اپنی گردن سے اتار دیا، یہاں تک کہ وہ رجوع کر لے" (احمد)

اور احادیث میں واضح طور پر حکمرانوں کے خلاف جنگ کرنے سے منع کیا گیا ہے، اگرچہ وہ ظلم کریں۔ ہاں! صرف اسی صورت میں، اگر وہ صریح کفر کا ارتکاب کریں۔ یعنی وہ اس طرح کفر کا ارتکاب کریں جو دلیلِ قطعی سے ثابت ہو، اور اس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(سَتَكُوْنُ اُمَرَاءُ ، فَتَعْرِفُوْنَ وَتُنْكِرُوْنَ ، فَمَنْ عَرَفَ بَرِیْءَ ، وَمَنْ اَنْكَرَسَلِمَ وَلٰكِنْ مَّنْ رَضِیَ وَتَابَعَ، قَالُوْا: اَفَلَانُقَاتِلُهُمْ؟ قَالَ: لَا ، مَاصَلُّوْا)

"عنقریب امراء ہوں گے۔ کہ تم ان میں سے بعض کو معروف پاؤ گے اور بعض کو منکر۔ تو جو معروف کرے وہ بری ہے۔ اور جو منکر کا انکار کر دے وہ سلامت ہے۔ لیکن جو اُن سے راضی ہو اور تابعداری بھی کرے (وہ بری اور سلامت نہیں)۔ (صحابہؓ نے) کہا: کیوں نہ ہم ان سے قتال کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، جب تک کہ وہ نماز پڑھتے رہیں"۔ (مسلم)

اور یہاں نماز سے مراد اسلام کے مطابق حکومت ہے۔ اور عوف بن مالکؓ کی اس حدیث میں بھی یہ بیان ہوا ہے، جسے مسلم نے روایت کیا ہے:

(قِیْلَ: یَا رَسُوْلَ اللهِ! اَفلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّیْفِ؟ فَقَالَ: لَاـ مَاأَقَامُوْا فِیْكُمُ الصَّلَاةَ)

"کہا گیا کہ اللہ کے رسول ا! کیا ہم انہیں بزورِ شمشیر نکال باہر نہ کریں؟ فرمایا: نہیں، جب تک کہ وہ تمہارے درمیان نماز قائم کرتے رہیں۔"

اور عبادہ بن صامتؓ کی حدیث میں ہے:

(وَاَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ أَهْلَهُ اِلَّا أَنْ تَرَوْاكُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِّنَ اللهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ)

"اور اس بات پر (ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی) کہ ہم اولو الامر کے ساتھ جھگڑا نہیں کریں گے، جب تک کہ وہ صریح کفر کا ارتکاب نہ کریں۔ جس کی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح دلیل موجود ہو۔" (بخاری)

اسلام میں اقتصادی نظام کے احکامات:

حزب التحریر نے کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" میں ایک طویل مقدمہ مرتب کیا ہے۔ جس میں خصوصی طور پر سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام کے افکار کا رد کیا گیا ہے۔ اس طرح کمیونزم اور اشتراکیت (سوشلزم) کے اقتصادی افکار کی خرابیوں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح ان کے اسلام کے اقتصادی نظام اور اس کے احکام وافکار کے ساتھ اختلاف اور تضاد کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ ذیل میں ہم اسلام کے اقتصادی نظام کے بعض افکار واحکام بیان کریں گے۔

اسلام کی اقتصادی پالیسی:

اسلام کی اقتصادی پالیسی ہر فرد کی تمام بنیادی ضروریات پورا کرنے کی ضمانت دیتی ہے۔ مزید بر آں جس اسلامی معاشرے میں وہ فرد رہتا ہے، اس کے اعتبار سے اس کی بعض حاجات کو پورا کرنے کی بھی ضمانت دیتی ہے اور جس کا اپنا ایک خاص انداز ہوتا ہے۔ چنانچہ شریعت کے احکامات ہر فرد کو اس کی بنیادی ضروریات مثلاً کھانا پینا، مکان، لباس کو پورا پورا مہیا کرنے کی ضمانت دیتے ہیں۔ اور یہ اس طرح سے ہوگا کہ جو فرد کام کرنے کے قابل ہے، اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی اور ان لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری کرے، جن کا نفقہ اس شخص پر فرض ہو۔ والد پر فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کی کفالت کرے۔ اگر کوئی فرد کام کرنے کے قابل نہیں تو اس کی ذمہ داری اس کے وارث پر عائد ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی ایسا فرد موجود نہیں ہے جس پر اس شخص کا نفقہ فرض ہو، تو پھر یہ ذمہ داری بیت المال کی ہے۔ اسی طریقے پر اسلام نے انسان کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کی ضمانت دی ہے۔

اقتصادی مسئلہ اسلام کی نظر میں:

اسلام کی نظر میں اقتصادی مسئلہ اموال اور منافع کی رعایا کے تمام افراد پر تقسیم ہے۔ دوسرے لفظوں میں اقتصادی مسئلہ دولت کی تقسیم کا ہے ،نہ کہ دولت پیدا کرنے کا، خواہ دولت کی پیداوار کتنی ہی ہو۔

مال کی ملکیت کی بنیاد:

بنیادی طور پر مال اللہ کی ملکیت ہے اور اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو اس کے بارے میں ذمہ دار بنایا ہے۔ اس ذمہ داری یا جانشینی کی وجہ سے انسان کو یک گونہ حقِ ملکیت حاصل ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی نے فرد کو اس مال پر قبضے کی اجازت دی ہے۔ یہ مخصوص اجازت ہے۔ اور اس مخصوص اجازت کی وجہ سے انسان بالفعل اس مال کا مالک تصور کیا جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاٰتُوْهُمْ مِّن مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْ اٰتَاكُمْ﴾

"اور ان کو اس مال میں سے دو، جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے"۔(النور:33)

اللہ تعالیٰ نے مال کی نسبت اپنی طرف کی۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَاَنْفِقُوْامِمَّاجَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ﴾

"اور اس میں سے خرچ کرو، جس میں اس نے تمہیں جانشین بنایا ہے"۔(الحدید:7)

پس اللہ تعالیٰ نے مال میں لوگوں کو اپنا نائب بنایا ہے۔

ملکیت کی اقسام:

ملکیت کی تین اقسام ہیں: انفرادی ملکیت، ملکیتِ عامہ، ریاستی ملکیت

اول: انفرادی ملکیت:

یہ شارع (اللہ سبحانہ و تعالیٰ) کی جانب سے انسان کو عین (اصل)، یا اس کی منفعت، یا اس کے متبادل کو خرچ کرنے کی اجازت ہے۔ اسلام نے فرد کے لیے انفرادی ملکیت کو ایک شرعی حق

قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ اموالِ منقولہ مثلاً چوپائے، نقدی، گاڑیاں اور کپڑے وغیرہ اوراموالِ غیر منقولہ مثلاً زمین، گھر، فیکٹری وغیرہ کا مالک ہو سکتا ہے۔ شریعت نے فرد کو اپنی ملکیت میں تصرف کا حق بھی دیا ہے۔ البتہ شریعت نے ان اسباب کا تعین کیا ہے، جن سے کوئی فرد مال کا مالک ہو سکتا ہے، اس مال کو بڑھا سکتا ہے۔ اور اسی طرح اس کو خرچ کرنے کی بھی شریعت نے ایک حد مقرر کر دی ہے۔

ملکیت کے اسباب:

شارع نے ان اسباب کا تعیّن کر دیا ہے، جن سے انسان مال کا مالک بن سکتا ہے، یا مال کی نشو و نما کر سکتا ہے۔ لہٰذا اپنا یا کسی کا کام خود کرنے کو یا دوسروں کے ذریعے کروانے کو ملکیت کا سبب قرار دیا ہے۔ بنجر زمین کو قابلِ کاشت بنانے اور زمین کے اندر سے معدنیات نکالنے، ایجنٹ اور دلال بننے کو بھی ملکیت کا سبب قرار دیا ہے۔ اسی طرح مضاربہ اور مساقات (پانی دینا) کو بھی ملکیت کا سبب قرار دیا۔ مزید برآں شارع نے میراث، بقدرِ کفاف (زندگی کو برقرار رکھنے کی خاطر) مال لینے، ریاست کی جانب سے رعایا کو مال دینے، اور ان اموال کو، جو افراد بغیر کسی مشقت کے حاصل کرتے ہیں، جیسے ہبہ، ہدیہ، وصایا، عطیہ، دیت، مہر اور لقطہ (راستے میں ملی ہوئی چیز) وغیرہ کو بھی ملکیت کا سبب قرار دیا ہے۔ اسی طرح شارع نے زراعت، تجارت اور صنعت کو مال کی بڑھوتری کا سبب قرار دیا ہے۔ جس طرح شارع نے کسب کو اور مختلف طریقوں سے مال کے نشو و نما کی کیفیت کا تعین کیا ہے، اسی طرح ان طریقوں کا بھی تعین کیا

ہے کہ جنہیں ایک مسلمان اموال کو بڑھانے کے لیے اختیار نہیں کر سکتا، یا انہیں اپنے کسب کا وسیلہ نہیں بنا سکتا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل طریقوں سے مال کمانے اور اس کو بڑھانے سے منع کیا:

سرمایہ دارانہ حصہ دار کمپنیاں (شیئر ہولڈر کمپنیاں):

یہ شراکتی کمپنیاں اسلام میں حرام ہیں۔ اسلام ان کی بالکل اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ یہ انعقاد اور "صحتِ بیع" کی ان تمام شرائط کو پورا نہیں کرتیں جو نصوص میں مذکور ہیں۔ ان کمپنیوں کے شیئرز میں عقد کے ارکان، یعنی ایجاب و قبول بھی نہیں پائے جاتے۔ یہ صرف ایک طرف سے پورے ہوتے ہیں، جو صرف ایک حصہ دار ہے۔ وہ اس طرح کہ کوئی شخص صرف کمپنی کی شرائط پر پورا اترے، تو وہ شریک بن جاتا ہے۔ اسی طرح صرف ایک حصہ کے خریدنے سے کوئی شخص کمپنی کا حصہ دار بن جاتا ہے۔ سرمایہ داروں کے نزدیک یہ صرف ارادہ ہے۔ اس کمپنی کے شیئرز میں دو عاقد (بائع و مشتری) نہیں ہوتے، بلکہ صرف ایک متصرف ہوتا ہے۔ اسی طرح اس میں ایجاب و قبول بھی نہیں ہوتا، بلکہ صرف قبول ہے۔ اور اس میں مال اور بدن نہیں ہوتا، بلکہ فقط مال ہوتا ہے۔ شریعت میں کمپنی کے لیے یہ شرط ہے کہ اس میں دو عاقدوں (بائع و مشتری) کی جانب سے ایجاب و قبول ہوتا ہے۔ جیسا کہ تجارت، کرایہ اور اس جیسے دوسرے عقود میں ہے، اور یہ شرکت بھی صرف دو بدنوں کے درمیان یا بدن اور مال کے درمیان ہو سکتی ہے۔ بدن کے بغیر مال میں شرکت جائز نہیں۔ چنانچہ سرمایہ دارانہ شراکتی کمپنی کا عقد ہی نہیں ہوتا کیونکہ اس میں عقد کے ارکان ہی نہیں پائے جاتے۔ لہٰذا یہ باطل اور حرام ہے۔ شرع کی مخالفت ہے، اور اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اس میں اللہ کے اَمر کی

مخالفت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انعقاد کی شرائط کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان شرائط کو پورا نہ کرنے سے اللہ اور اس کے حکم کی مخالفت ہوتی ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾(النور:63)

"جو اس (محمد ﷺ) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنہ یا دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں"

اسی طرح شارع نے سود، ذخیرہ اندوزی، جوا، ملاوٹ، دھوکا، غبن الفاحش، شراب کی خرید و فروخت، خنزیر کی تجارت یا مردار کے بیچنے اور خریدنے کو، صلیب کے بیچنے، کرسمس کی خوشی کے درخت، چوری اور جیب تراشی، لوٹ مار، اور شوت یا خیانت کے ذریعے مال کمانے اور بڑھانے سے منع کیا ہے۔

دوم: عام ملکیت:

ملکیت کی اقسام میں سے دوسری قسم "ملکیتِ عامہ" ہے۔ یہ اعیان (نقد اموال) ہیں، جنہیں شارع نے تمام مسلمانوں کی ملکیت میں دیا ہے، اور انہیں مسلمانوں کے درمیان مشترک قرار دیا ہے۔ اور ان سے نفع اٹھانے کو افراد کے لیے مباح قرار دیا ہے اور انہیں انفرادی ملکیت بنانے سے منع فرمایا ہے۔ بنیادی طور پر ان اعیان کی تین اقسام ہیں:

1) جماعت (معاشرے) کی عام روز مرہ ضروریاتِ زندگی، جن کے بغیر زندگی ناممکن ہے، مثلاً پانی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(اَلمُسْلِمُوْنَ شُرَكَاءُ فِيْ ثَلَاثٍ اَلْمَاءُ وَالْكِلَاءُ وَالنَّارُ)

"تین چیزوں میں تمام مسلمان شریک ہیں: پانی، چراگاہیں اور آگ" (احمد)

بات ان تین چیزوں تک محدود نہیں، بلکہ اس میں ہر وہ چیز داخل ہے جو جماعت کی ضرورت ہے۔ لہٰذا وہ تمام آلات بھی اس میں شامل ہیں جو جماعت کی ضرورت ہیں۔ جیسے پانی نکالنے یا چھڑکنے کے آلات اور اس کو پہنچانے کے لیے پائپ، بجلی پیدا کرنے کے آلات مثلاً پانی کے بہاؤ کے آلات، ستون اور تار وغیرہ۔

2) وہ اعیان، جو اپنی طبعی اور تکوینی خصوصیت کی وجہ سے انفرادی قبضہ میں نہیں ہو سکتے۔ مثلاً سمندر، دریا، عام میدان، مساجد، عام راستے وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(مِنًى مُنَاخٌ مَن سَبَقَ)(ترمذی،ابن ماجه، حاکم)

"جو پہل کرے، ہماری طرف سے راہ ہموار ہے۔" (یعنی جو پہلے آئے وہ پہلے پائے)۔

ان کے علاوہ کئی اور چیزیں، مثلاً ریل گاڑی، بجلی کے کھمبے، پانی کی پائپ لائنز اور پانی کے وہ نلکے، جو عام راستوں میں لگے ہوئے ہیں، بھی عام ملکیت میں شامل ہیں۔ کیونکہ یہ عام راستوں میں لگے ہوئے ہیں اور عام راستے عام ملکیت ہیں۔ کوئی فرد ان کو اپنے لیے خاص نہیں کر سکتا اور نہ اس چیز سے لوگوں کو منع کر سکتا ہے، جو عام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(لَا حِمَى اِلَّا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ)

"اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ کسی کے لیے حمیٰ بنانا نہیں ہے"۔(بخاری)

چنانچہ ریاست کے علاوہ کوئی بھی ان چیزوں سے منع نہیں کر سکتا۔

3)وہ بے شمار معدنیات، جو منقطع نہ ہوتی ہوں۔

یہ ایسی بہت سی معدنیات ہیں، جو بہت کثرت سے ہوتی ہیں، یہ تمام مسلمانوں کی ملکیت ہیں۔ کسی خاص فرد یا کمپنی کے لیے ان کی ملکیت جائز نہیں ۔ لہٰذا انہیں نکالنے ، بنانے اور ذخیرہ کرنے یا تقسیم کرنے کے لیے کسی خاص فرد یا کمپنی کی ملکیت میں دینا جائز نہیں۔ بلکہ ان کو تمام مسلمانوں کی ملکیت میں رہنا ضروری ہے۔ اس میں تمام مسلمان شریک ہوں گے۔ اور مملکت انہیں خود نکالے گی، یا کسی اور ذریعے سے، یا مسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت سے انہیں بیچ کر ان کی آمدنی بیت المال میں رکھے گی۔ یہ معدنی ذخائر چاہے ظاہری ہوں یا زیرِ زمین، ان میں کوئی فرق نہیں۔ مثلاً نمک، سرمہ وغیرہ(جو ظاہری معدنیات ہیں)۔ اسی طرح زیرِ زمین معدنی ذخائر، جنہیں بڑی مشقت سے نکالا جاتا ہے، مثلاً سونا، چاندی، لوہا، پیتل، تانبا، یورینیم، پٹرول وغیرہ۔ اس کی دلیل ابیض بن حمال کی حدیث ہے:

(أَنَّهُ وَفَدَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ فَاسْتَقْطَعَهُ فَأَقْطَعَهُ الْمِلْحَ فَلَمَّا أَدْبَرَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتَدْرِي مَا أَقْطَعْتَهُ إِنَّمَا أَقْطَعْتَهُ الْمَاءَ الْعِدَّ قَالَ فَرَجَعَ فِيهِ)

"(ابیض بن حمال) نے رسول اللہ ﷺ سے مارب میں نمک توڑ لینے کی اجازت چاہی تو آپ نے انہیں اجازت دی۔ جب وہ واپس ہوئے تو رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ ! کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے ان کے لیے کیا توڑا؟ آپؐ نے اس کے لیے بے شمار پانی (معدنیات) توڑا۔ آپؐ نے فرمایا: "اس سے واپس لے لو"۔ (ابنِ حبان)

جہاں تک ان چھوٹی اور مقدار میں محدود معدنیات کا تعلق ہے، جیسے سونے اور چاندی کا عرق ،تو ان کا کوئی خاص فرد بھی مالک ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بلال بن الحارث المزنیؓ کو حجاز میں الفرع کی طرف "معادن القبلیۃ" کا مالک بنایا۔ بلالؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اسے حاصل کرنے کا سوال کیا تھا اور آپؐ نے انہیں اجازت دی، اور اس کا مالک بھی بنایا۔

عام ملکیت سے نفع اٹھانے کی کیفیت:

چونکہ ملکیتِ عامہ تمام مسلمانوں کی ملکیت اور ان کے درمیان مشترک ہے، لہٰذا ہر فرد اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اگر اس ملکیت کے اعیان (اموال) ایسے ہوں، جن سے انسان خود آسانی سے نفع اٹھا سکتا ہے، تو اٹھائے۔ مثلاً پانی، چارہ، آگ، عام راستے، دریا اور سمندر وغیرہ۔ اور اگر ان سے خود آسانی سے فائدہ اٹھانا ایک فرد کے لیے سہل نہ ہو، مثلاً پٹرول اور دوسری معدنیات وغیرہ، تو مملکت انہیں زمین سے نکالے گی اور ان کی آمدنی بیت المال میں رکھے گی۔ خلیفہ ان میں سے حسبِ موقع مسلمانوں کے فائدے کے لیے خرچ کرے گا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس کی آمدن کو مندرجہ ذیل طریقے سے تقسیم کرے:

1) اموال کو زمین سے نکالنے کے محکمے پر خرچ کرے۔ یعنی اس کی تعمیرات، متعلقہ افسروں، مشیروں، ماہرین و آلات اور کارخانوں وغیرہ پر۔

2) ان مسلمانوں پر خرچ کرے، جو ان ملکیاتِ عامہ کے حق دار ہیں۔ یعنی خلیفہ انہیں مسلمانوں میں تقسیم کردے، جیسے پٹرول، پانی، بجلی وغیرہ مفت دے گا، یا ان سے حاصل ہونے والی آمدنی کو مسلمانوں کے مفادات اور موقع و محل کے اعتبار سے ان کی بھلائی کے کاموں میں خرچ کرے گا۔

3) جہاد اور اس کے لیے اسلحہ اور فوج کی تیاری پر خرچ کرنے کے لیے اس مال کو حمیٰ بنائے گا۔ اور اسی طرح بیت المال کے ان مصارف پر بھی خرچ کرے گا، جن پر خرچ کرنا مال ہونے یا نہ ہونے کی صورت میں بہرحال بیت المال پر واجب ہے۔ بیت المال میں مال نہ ہونے کی صورت میں ان مصارف پر خرچ کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔

سوم: ریاستی ملکیت:

ملکیت کی تیسری قسم "مملکت کی ملکیت" ہے۔ اس میں ہر وہ 'عین' (مال) شامل ہے، جو زمین یا مکان کی صورت میں عام مسلمانوں سے تو متعلق ہے مگر ملکیت عامہ میں داخل نہیں۔ مملکت کی ملکیت وہ اموال ہیں، جو انفرادی ملکیت کی اہلیت بھی رکھتے ہیں، مثلاً زمین، مکان اور منقولہ اشیاء وغیرہ لیکن جب یہ عام مسلمانوں کے حقوق سے متعلق ہو گئے، تو ان کی تدبیر، دیکھ بھال اور تصرف خلیفہ کی ذمہ داری ہے۔ یعنی کہ ریاست کیونکہ وہی ان چیزوں کو بہتر طریقے سے

صرف کر سکتی ہے جو عام مسلمانوں سے متعلقہ ہیں ،مثلاً صحرا، پہاڑ، بندر گاہیں ،ایسی بنجر زمین ،جو کسی خاص شخص کی ملکیت نہ ہو، عمارات، پانی پینے کی جگہیں (کنوئیں وغیرہ)۔ اسی طرح وہ اموال، جنہیں ریاست خرید لے یا تعمیر کرے یا جنگ میں دشمن سے چھین لے ،مثلاً دفاتر کی عمارات۔ نیز مدارس، ہسپتال وغیرہ۔ مملکت اُن املاک کی مالک بھی ہو سکتی ہے جن کے مالک افراد ہو سکتے ہیں، مثلاً زمین مکان وغیرہ۔ پھر خلیفہ ان کو افراد کی ملکیت میں بھی دے سکتا ہے، چاہے یہ منفعت کے اعتبار سے ہو یا اصل (عین) کے اعتبار سے، یا پھر دونوں اعتبار سے۔ یعنی منفعت کا اصل یا بنجر زمین انہیں دے دے، تا کہ وہ اس کو آباد کریں اور مالک بن جائیں۔ اور اس کا ایسا تصرف کریں جو مسلمانوں کے مفاد میں ہو۔

زمینیں:

زمینوں کا رقبہ اور منفعت دو چیزیں ہیں۔ اس کا رقبہ اس کی اصل ہے اور منفعت سے مراد زراعت وغیرہ میں اس کا استعمال ہے۔ اسلام نے اس کے اصل اور منفعت دونوں کی ملکیت کو مباح کر دیا۔ لیکن دونوں کے لیے مخصوص احکام وضع کیے ہیں۔

زمینوں کی اقسام:

زمینوں کی دو اقسام ہیں: (۱) عشری زمین (۲) خراجی زمین

اول: عشری زمین:

یہ وہ زمین ہے جس کے رہنے والے وہاں رہتے ہوئے مسلمان ہوئے۔ جیسے انڈونیشیااور جزیرہ نماعرب کی زمین، اور وہ بنجر زمین، جسے انسان خود آباد کرے۔

عشری زمین کے اصل اور نفع دونوں کا مالک بنا جاسکتا ہے اور اس میں زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ ہے۔ اگر زمین بارانی ہو تو زکوٰۃ کے بجائے عشر ہے ۔ اگر زمین کو آلات کی مدد سے سیر اب کیا جائے تو اس میں نصف عشر ہے۔

دوم: خراجی زمین:

یہ وہ زمین ہے جو جہاد یا صلح کے ذریعے فتح کی گئی ہو۔ عرب میں اس کی مثال عراق، شام، مصر اور دوسرے ممالک ہیں، جو بزورِ شمشیر فتح کیے گئے ہیں ۔ خراجی زمین کی اصل (عینِ زمین) مسلمانوں کی ملکیت ہے۔ مملکت اس ملکیت میں مسلمانوں کی نائب ہے۔ افراد کے لیے اس کی منفعت کی ملکیت بھی ایک جائز امر ہے۔ اور خراجی زمین پر خراج لینا فرض ہے ،اور اس کی مقدار وہ ہو گی جو مملکت اس پر مقرر کرے۔ اسی طرح خراج نکالنے کے بعد اگر اس کی پیداوار نصاب کو پہنچے تو اس پر زکوٰۃ بھی لی جائے گی۔ چنانچہ ہر فرد کو عشری زمین سے نفع اٹھانے کا حق حاصل ہے۔ ان معنوں میں کہ وہ اسے بیچ سکتا ہے، اسے میراث اور ہبہ میں لے دے سکتا ہے ۔ اسی طرح فرد کو خراجی زمین سے بھی نفع اٹھانے کا حق حاصل ہے۔ یعنی وہ اسے بیچ یا خرید سکتا ہے، اور دوسرے اموال کی طرح میراث کے ذریعے اس کا مالک بھی ہو سکتا ہے۔

کارخانے:

کارخانوں کا بھی کسی فرد کی ملکیت میں ہوناجائز ہے۔ مثلاً گاڑیوں کے کارخانے، فرنیچر وغیرہ کے کارخانے یا ٹیلرنگ ہاؤس یا کھیلوں کے سامان وغیرہ کے کارخانے، جن کے افراد مالک ہوتے ہیں۔ اسی طرح مملکت بھی مختلف کارخانوں کی مالک ہوسکتی ہے، مثلاً اسلحہ ساز فیکٹریاں یا تیل نکالنے کے کارخانے یا معدنیات نکالنے کے کارخانے وغیرہ۔ علاوہ ازیں کارخانے اور فیکٹریاں عام ملکیت میں بھی ہوسکتے ہیں، اگر وہ اشیائے عامہ پیدا کررہے ہوں، مثلاً لوہا، پیتل، سونا اور چاندی کے کارخانے۔ اسی طرح عام ملکیت کے اموال نکالنے کے کارخانے، مثلاً پٹرول وغیرہ۔ ان کارخانوں کی ملکیت ان کی پیداوار کی ملکیت کے تابع ہوگی۔ کیونکہ قاعدہ ہے: اِنَّ الْمَصْنَعَ يَأْخُذُ حُكْمَ مَايُنْتِجُ "کارخانے کا وہی حکم ہے جو اس کی پیداوار کا ہے۔"

بیت المال:

بیت المال کی آمدنی:

1) انفال، غنائم، مالِ فے، خمس
2) خراج
3) جزیہ
4) عام ملکیت کی آمدنی کی مختلف اقسام۔ انہیں خاص مد میں رکھا جائے گا۔
5) زمین یا مکانات کی ملکیت کے ذریعے مملکت کی آمدنی
6) شہروں کی حدود میں لیا جانے والا عشر
7) معدن، خمس اور رکاز (مدفون خزانہ)

8) ٹیکسز (الضرائب)

9) زکوٰۃ کے اموال، ان کو خاص مدات میں رکھا جائے گا۔

نقدی کا سونا یا چاندی ہونا واجب ہے:

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لوگ صرف سونا چاندی کو نقدی کی بنیاد سمجھتے تھے۔ وہ ہر جگہ اسے ہی استعمال کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ باز نطینی دینار اور کسروی درہم بھی اپنے پاس نقد کی صورت میں رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے لے کر عبد الملک بن مروان کے زمانے تک خاص قسم کے نقدی سکے نہیں بنائے گئے۔ عبد الملک نے اپنے عہد میں ایک خاص قسم کا سکہ، اسلامی نقدی بنائی اور اسے ایک خاص طرز اور معیّن شکل میں بنوایا۔ اس میں خالص اسلامی نقش و نگار کیا اور اسے صرف سونے چاندی کی بنیاد ہی پر رکھا۔ یعنی شرعی دینار اور درہم کے وزن کے برابر۔

سونے اور چاندی کے سونا اور چاندی ہونے کے اعتبار سے، اور نقدی اور سکے ہونے کے اعتبار سے، اسی طرح اشیاء کی قیمت اور محنت کی اجرت ہونے کے اعتبار سے، اسلام کے بہت سے شرعی احکامات ہیں۔ چنانچہ ان کا جمع کرنا حرام ہے۔ ان سے متعلقہ ایسے احکامات بھی ہیں جو کبھی تبدیل نہیں ہوتے۔ لہٰذا ان میں زکوٰۃ ان کے نقدی رہنے کے اعتبار سے ہے۔ اسی طرح اشیاء کی قیمتیں ہونے کے اعتبار سے، سونے کے دیناروں اور چاندی کے درہم سے ان اشیاء کے لیے ایک نصاب متعیّن کیا گیا ہے۔ اور اگر دیت فرض ہو تو یہ دونوں صورتوں میں دی جا سکتی ہیں۔ اس کے لیے سونا اور چاندی سے ایک متعین مقدار مقرر کی گئی ہے، جو سونے میں ہزار

دینار اور چاندی میں بارہ ہزار درہم ہیں۔ جب چوری میں ہاتھ کاٹنے کو فرض قرار دیا تو اس میں اس مقدار کا تعین کیا، جس پر ہاتھ کاٹا جائے گا، یعنی سونے میں ربع دینار (دینار کا چوتھائی حصہ) اور چاندی میں تین درہم۔ اور جب شرع نے نقد معاملات میں تصرف کے احکامات مقرر کیے ، تو سونا اور چاندی ہی کو اس میں معتبر ٹھہرایا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اسلام نے اِن تمام شرعی احکامات کو سونے اور چاندی کے ساتھ بحیثیت نقدی اور "سکہ رائج الوقت" کے مربوط کیا ہے۔ اور انہی کو چیزوں کی قیمت قرار دیا ہے۔ اور اس کو خود رسول اللہ ﷺ نے متعیّن کیا ہے کہ سونا اور چاندی ہی صرف نقدی کے پیمانے ہیں، جن سے سامان کی قیمت لگائی جاتی ہے، اور محنت کی مزدوری طے کی جاتی ہے۔ یہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ اسلام نے بطور نقدی صرف سونا اور چاندی کا اعتبار کیا ہے۔ کیونکہ نقدی کے جتنے احکامات ہیں وہ سونے اور چاندی سے مربوط ہیں۔

اس بناء پر مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کی نقدی سونے اور چاندی کی شکل میں ہو اور خلیفہ کو بھی چاہیے کہ وہ نقدی میں صرف سونا اور چاندی کا اعتبار کرے۔ اور سونا اور چاندی کے اس قاعدے پر چلے، جو رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں تھا۔ اور خلافت کی حکومت پر یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ ایک متعین شکل اور خاص طرز پر دینار اور درہم کے سکے بنائے۔ اور دینار کا وزن شرعی دینار کے وزن کے برابر ہو، یعنی 4.25 گرام ایک دینار کے لیے، جو مثقال کا وزن ہے۔ اور چاندی کے درہم کا وزن شرعی درہم کے وزن کے برابر ہو گا، جسے

"وزنِ بیع" بھی کہا جاتا ہے ۔ یعنی دس درہم سات مثقال وزن کے برابر ہوں گے اور 2.975 گرام وزن کے برابر درہم کا سکہ بنایا جائے گا۔

یہ سونے اور چاندی کا قاعدہ ہی ہے، جس کے ذریعے نقدی کی مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے، اور افراطِ زر کی اِس عالمی شدت میں، جس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے، نقدی کو مستحکم کیا جاسکتا ہے۔ قیمتوں میں استحکام اور عالمی تجارت کو ترقی دی جاسکتی ہے۔ سونے اور چاندی کے قاعدے کے ذریعے ہی سے بین الاقوامی کرنسی پر امریکہ کے تسلط کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح بین الاقوامی تجارت اور عالمی اقتصاد پر امریکی قبضے کو اس قاعدے سے ختم کیا جاسکتا ہے۔ پس سونے کے قاعدے کی طرف رجوع ہی سے دنیا میں ڈالر کا اثر ورسوخ اور اس کی قیمت زائل ہو گی۔

تعلیمی پالیسی:

تعلیمی نصاب کی بنیاد اسلامی عقیدہ پر ہونی چاہیے۔ لہٰذا اسباق اور دروس کا مواد اور طریقہ تعلیم سب کے سب اس طرح ہوں گے کہ وہ اس بنیاد سے خارج نہ ہوں۔ یعنی تعلیم کی پالیسی کا مقصد انسانی کی عقلیت اور نفسیت کی تعمیر ہے۔ چنانچہ تمام تدریسی مواد کو اسی بنیاد پر وضع کیا جائے گا اور تعلیم کا مقصد اسلامی شخصیت پیدا کرنا اور زندگی کے معاملات سے متعلق لوگوں کے علوم و معارف میں اضافہ کرنا ہے۔ لہٰذا تمام مراحل میں اسلامی ثقافت کی تعلیم ضروری ہے۔

تعلقات عامہ اور خارجہ سیاست کے احکام وافکار:

سیاست امت اور ریاست کے داخلی اور خارجی معاملات کی نگرانی کا نام ہے۔ یہ مملکت کی جانب سے لوگوں پر نظام نافذ کرنے اور داخلی طور پر ان کے معاملات کی نگرانی اور ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ اسی طرح بین الاقوامی مؤقف کو سمجھنا اور بڑے ممالک کی پالیسی اور ان کے اثرات سے واقفیت رکھنا اور دعوت وجہاد کی بنیاد پر مختلف ممالک سے خارجی تعلقات قائم کرنا اورامت کی جانب سے سیاسی امور سرانجام دینا۔ اسی طرح امت میں موجود جماعتوں کی سیاست یہ ہے کہ وہ معاملات کی سرپرستی سے متعلق حاکم کا محاسبہ کریں۔ اس کے تصرفات او راعمال پر نظر رکھیں۔ مسلمانوں کے معاملات اور امور کے اہتمام سے متعلق اس کو نصیحت کریں۔

دارالاسلام اور دار الکفر:

دار الاسلام وہ دار ہے، جہاں زندگی کے ہر پہلو سے متعلق اسلامی احکامات نافذ ہوں۔ اوراس کی امان اسلام کی امان ہو، اگرچہ وہاں کے باشندوں کی اکثریت غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو اور دارالکفر وہ دار ہے، جہاں زندگی کے معاملات کے بارے میں کفریہ احکام نافذ ہوں، اور اس کی امان کفریہ امان کی وجہ سے ہو، اگرچہ وہاں کے باشندے سب مسلمان ہوں۔ چنانچہ دار کے دارالکفر یادار الاسلام ہونے میں وہاں نافذ احکامات اور اس کی امان کا اعتبار ہے۔ وہاں کے باشندوں کے دین کا کوئی اعتبار نہیں۔

آج کے اسلامی ممالک میں کوئی ملک ایسا نہیں جہاں حکومت اور زندگی کے معاملات میں اسلامی احکامات نافذ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سارے ممالک دارالکفر ہیں۔ اگرچہ ان میں رہنے والوں کی اکثریت مسلمان ہے۔

لہٰذا اسلام تمام مسلمانوں پر اس چیز کو فرض قرار دیتا ہے کہ وہ ان ممالک کو دارالکفر سے دارالاسلام میں تبدیل کریں۔ یعنی ایک اسلامی ریاست قائم کریں، جو خلافت ہو۔ وہاں خلیفہ مقرر کریں اور اس کے ہاتھ پر اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق حکومت کرنے کی، یعنی اسلامی احکامات کو نافذ کرنے کی شرط پر بیعت کریں۔ پھر خلافت کے ساتھ مل کر باقی ممالک کو خلافت میں ضم کرنے کے لیے کام کریں۔ اسی طرح یہ دار الاسلام بن جائیں گے۔ اور وہاں سے مسلمان اسلام کے علمبردار بن کر اس کو دعوت اور جہاد کے ذریعے پوری دنیا کے سامنے پیش کریں گے۔

جہاد:

جہاد کہتے ہیں اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے اللہ کے راستے میں قتال میں مقدور بھر کوشش کرنا۔ اسی طرح جہاد کی براہِ راست دعوت دینا یا دعوت میں مدد کرنا، مال کے ذریعے یا رائے دے کر یا تعداد میں اضافے سے، یا کسی اور طریقے سے مدد کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ پس اللہ کے کلمے کو سربلند کرنے اور اسلام کو پھیلانے کے لیے لڑنا (قتال کرنا) جہاد ہے۔ یہ فرض ہے اور اس کی فرضیت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ دسیوں آیات اور احادیث اس کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں۔

ابتداء میں تو جہاد فرضِ کفایہ ہے۔ لیکن جب دشمن حملہ کرے، تو جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ ابتداء میں جہاد فرضِ کفایہ ہونے کا مطلب ہے کہ اگر دشمن جنگ نہ بھی کرے تو ہم قتال شروع کریں گے۔ چنانچہ کسی زمانے میں کوئی بھی مسلمان جہاد (قتال) کے لیے نہ اٹھے تو تمام مسلمان گنہگار ہوں گے۔ اس لیے کہ جہاد کوئی دفاعی جنگ نہیں، بلکہ جہاد اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے قتال ہے۔ ابتداء میں یہ اسلام کو پھیلانے اور اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے بھی فرض ہے، اگرچہ کفار حملہ نہ بھی کریں۔

بین الاقوامی تعلقات:

اسلامی مملکت کے دوسرے ممالک کے ساتھ تعلقات اسلامی احکامات کے مطابق ہوں گے اور ان تعلقات کی صورت یہ ہو گی:

1) آج عالمِ اسلام میں قائم مملکتیں گویا ایک علاقے میں قائم مملکتیں ہیں۔ چنانچہ ان کے ساتھ (یعنی مسلم ممالک سے) معاملہ خارجی ممالک کے ساتھ تعلقات کے تحت نہیں آتا، اور نہ ہی ان کے ساتھ تعلق کو خارجہ سیاست سمجھا جائے گا، بلکہ یہ فرض ہے کہ انہیں ایک ریاست کی شکل میں وحدت بخشنے کے لیے کام کیا جائے۔

بے شک مسلمان باقی تمام لوگوں کو چھوڑ کر ایک ہی امت ہیں۔ اور یہ امر واجب ہے کہ وہ ایک ریاست کی شکل میں وحدت اختیار کریں۔ اس لیے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات بیرونی ریاست کے ساتھ تعلقات کے ضمن میں نہیں آتے اور نہ ہی انہیں خارجہ سیاست سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ یہ

لازم ہے کہ ان کے ساتھ تعلقات کو خارجہ سیاست تصور کیا جائے۔ لہٰذا ان کے ساتھ سفارتی تعلقات نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کے ساتھ خارجہ معاہدات طے کیے جاتے ہیں۔ بلکہ ان سب کو خلافت میں شامل کرنے اور ایک جسم بنانے کے لیے کام کرنا فرض ہو گا۔ جب یہ ممالک دارالاسلام ہوں تو ان کی رعایا اجنبی نہیں سمجھی جائے گی۔ بلکہ ان کے ساتھ خلافت کی رعایا کی طرح معاملہ کیا جائے گا۔ اگر ان کا ملک دارالکفر ہو، تو ان کی مسلمان رعایا کے ساتھ دارالکفر کا معاملہ کیا جائے گا، البتہ ان کا جان اور مال محفوظ ہوں گے۔

2) وہ ممالک جن کے ساتھ ہمارے تجارتی، اقتصادی، ثقافتی یا اچھی ہمسائیگی کے معاہدات ہیں اور ان کے ساتھ ان معاہدات کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ ان ممالک کی رعایا کے لیے مملکت خلافت میں داخل ہونا درست ہو گا۔ شناخت کے ساتھ اور پاسپورٹ کے بغیر، بشرطیکہ معاہدہ اس کی اجازت دے۔ اور ان اقتصادی و تجارتی تعلقات مخصوص اشیاء تک محدود ہوں گے اور متعین خصوصیات کے ساتھ کہ یہ اشیاء اشیائے ضرورت ہوں اور ان کی تجارت کے نتیجے میں وہ ممالک، جن کی اسلام اجازت دیتا ہے، محدود مدت اور محدود پیمانے پر ہوں گے۔ لیکن یہ معاملات جہاد، مسلمانوں اور مملکت خلافت کے تقاضوں اور مفادات کو مدنظر رکھ کر ہوں گے۔ ان ممالک کے ساتھ معاملہ ان معاہدات کی شقوں کے مطابق ہو گا۔ اور ان ممالک کے ساتھ تجارتی اور اقتصادی معاہدات محدود اشیاء اور محدود مدت اور متعیّن شرائط پر ہوں گے۔ جو مسلمانوں کے لیے ضروری اور ان ممالک کو مضبوط کرنے کا ذریعہ نہ ہوں۔

اگرچہ ان ریاستوں کے اور ہمارے درمیان معاہدات موجود ہیں، لیکن ان کے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ یہ حربی حکماً ریاستیں ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ کافر ریاستیں ہیں جو کہ اسلام کی اتھارٹی کے سامنے سرنگوں نہیں ہوئیں۔ پس یہ حربی ریاستیں تصور کی جائیں گی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(امرت ان اقاتل الناس حتى يشهدوا ان لا اله الله و ان محمدا رسول الله)

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام اقوام سے لڑوں یہاں تک کہ وہ کہہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں" (بخاری)

یہ حدیث عام ہے۔ اور چونکہ ان ممالک اور ہمارے درمیان معاہدات ہیں لہٰذا یہ حربی حکماً ریاستیں ہیں اور حربی فعلاً ریاستیں نہیں۔ اور اسی بنا پر یہ واجب ہے کہ ان کے ساتھ معاہدات محدود مدت کے لیے ہوں اور دائمی نوعیت کے نہ ہوں۔

3) وہ ریاستیں، جن سے ہمارے کوئی معاہدے نہیں، یا استعماری ممالک مثلاً امریکہ، برطانیہ، فرانس اور وہ ممالک، جو مسلمانوں پر قبضہ کے خواہش مند ہیں، مثلاً روس، یہ سب دارالحرب حکماً متصور ہوں گے۔ اور ان کے بارے میں مکمل احتیاط برتی جائے گی۔ ان کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنا درست نہیں۔ ان ممالک کی رعایا ریاستِ خلافت میں پاسپورٹ کے ساتھ اور خلافت کی طرف سے ہر فرد کو ہر سفر کی علیحدہ اجازت ملنے پر ہی داخل ہو سکے گی۔ ماسوائے کہ وہ عملی طور پر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی حالت میں ہوں۔

ان ریاستوں کو حکمی طور پر حربی تصور کیا جائے گا کیونکہ یہ وہ کفار ہیں جو اسلام کی اتھارٹی کے سامنے مطیع نہیں ہوئے، پس انہیں حربی کفار متصور کیا جائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (امرت ان اقاتل الناس...) "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اقوام سے لڑوں..."۔ اور یہ الفاظ عام ہیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وہ حکمی طور پر حربی تصور کیے جائیں گے نہ کہ فعلی طور پر تو اس کی وجہ ہے کہ ان کے اور ہمارے درمیان عملی طور پر جنگ نہیں ہو رہی، اور انہوں نے اور نہ ہی ہم نے ان کے ساتھ عملی جنگ کا اعلان کیا ہے۔ اور جیسا کہ پچھلے نکتہ میں بیان کیا گیا کہ ان کے ساتھ دائمی نوعیت کے معاہدات کرنا جائز نہیں۔

اور اگر ایسی تمام ریاستیں یا ان میں سے کچھ ہمارے ساتھ عملی طور پر جنگ کی حالت میں آجائیں، یعنی وہ مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہو جائیں تو ان کے ساتھ حربی فعلاً کا معاملہ کیا جائے گا جیسا کہ نکتہ نمبر 4 میں نیچے بیان کیا گیا ہے۔ پس امریکہ اور برطانیہ، افغانستان اور عراق پر حملے کے بعد؛ یا کوئی اور ریاست کہ جس نے مسلمانوں کے کسی بھی علاقے پر حملے کا اعلان کر دیا ہو، حربی فعلاً قرار پائیں گے اور ان کے اوپر عملی جنگ کے احکامات کا اطلاق ہو گا، جب تک کہ ان کے اور ہمارے درمیان حالتِ جنگ موجود ہے۔

4) وہ ممالک، جو عملاً برسرِ پیکار ہیں، مثلاً اسرائیل، تو اس کے ساتھ تمام معاملات کے لحاظ سے حالتِ جنگ کا سا معاملہ کیا جائے گا۔ چاہے ہمارے اور ان کے درمیان جنگ بندی ہو یا نہ ہو۔ ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کا معاملہ ہو گا۔ اور اس کی رعایا کے لیے مملکت اسلامیہ میں داخلہ ممنوع ہو گا۔

ایسے ممالک کے ساتھ دائمی جنگ بندی یعنی دائمی طور پر قتال کو روکنا جائز نہیں، کیونکہ دائمی جنگ بندی جہاد کو معطل کر دے گی جبکہ جہاد قیامت تک جاری ہے۔ اسی طرح دائمی جنگ بندی اسلام کے پھیلاؤ کو روک دے گی کہ جسے اللہ نے تمام ادیان پر غالب کرنے کے لیے نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾(الانفال:39)

"اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ کفر کا فساد باقی نہ رہے اور دین سب اللہ ہی کا ہو جائے"

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(و الجهاد ماض منذ بعثنی الله الی ان يقاتل آخر امتی الدجال)

"جہاد اس وقت سے ہے جب سے اللہ نے مجھے مبعوث کیا اور اس وقت تک جاری رہے گا جب تک میرے آخری امتی دجال سے لڑیں گے۔"(ابو داؤد نے انسؓ سے روایت کیا)

جہاں تک ایسی ریاستوں کے ساتھ وقتی صلح کا تعلق ہے یا عارضی جنگ بندی کا تعلق ہے، تو اس کا بیان یہ ہے:

ا) جب وہ ریاست کہ جس کے اور ہمارے درمیان عملی جنگ ہو، کی سرزمین غیر اسلامی سرزمین ہو کہ جس پر اس کا ڈھانچہ کھڑا ہو، تو اس کے ساتھ وقتی مدت کا امن معاہدہ کرنا جائز ہے، یعنی اس کے ساتھ محدود مدت کے لیے جنگ کو بند کرنا۔ جبکہ ایسا کرنا اسلام اور مسلمانوں کے فائدے میں ہو اور یہ ان شرائط پر ہو جس کی شرع نے اجازت دی ہے۔

اس کی دلیل صلح حدیبیہ ہے، جو کہ اسلامی ریاست، کہ جسے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں قائم کیا تھا، اور قریش کی ریاست کے درمیان طے پایا تھا۔ قریش کی ریاست ایک ایسی سرزمین پر قائم تھی کہ جسے اسلام نے اس وقت تک فتح نہیں کیا تھا، یعنی وہ ایک اسلامی سرزمین نہیں تھی۔

ب) جب ہم ایک ایسی ریاست کے ساتھ عملاً حالتِ جنگ میں ہوں کہ جس کا وجود اسلامی سرزمین پر قائم ہوا ہو یعنی وہ ریاست ایک ایسی سرزمین پر موجود نہ ہو کہ جسے مسلمانوں نے ابھی فتح نہیں کیا، جیسا کہ اسرائیل کا معاملہ ہے جو کہ یہودی ریاست ہے، جو فلسطین کی اسلامی سرزمین کو غصب کر کے کھڑی کی گئی ہے، تو ایسی ریاست ساتھ صلح کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس ریاست کا وجود شرعاً باطل ہے اور اس کے ساتھ صلح کرنے کا مطلب ہے کہ اسلامی سرزمین سے دستبردار ہو جانا ہے جو کہ حرام ہے اور اسلام کی رُو سے جرم ہے۔ بلکہ واجب ہے کہ اس کے ساتھ جنگ کی حالت کو برقرار رکھا جائے خواہ اسلامی ممالک کے غیر شرعی حکمرانوں نے اس کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ کر رکھا ہو یا نہیں۔

چنانچہ یہودی ریاست کے ساتھ صلح کا معاہدہ خواہ یہ زمین کے ایک چپے کے متعلق ہی ہو، شرعاً حرام ہے۔ کیونکہ یہودی ریاست ایک غاصب دشمن ریاست ہے اور اس کا تمام تر وجود اسلامی سرزمین پر استوار ہے اور اس سے صلح کرنا اسلامی سرزمین سے دستبردار ہونا ہے اور اس علاقے میں بسنے والے مسلمانوں پر یہودی ریاست کی اتھارٹی کو قبول کرنا ہے، جو کہ شرعاً جائز نہیں۔ اسلام تمام دنیا کے مسلمانوں پر یہ فرض عائد کرتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ جنگ کریں،

اور اپنی افواج کو اس کے خلاف جنگ کے لیے نکالیں اور اس کے خلاف قوت بہم پہنچائیں اور ایسا کرتے رہیں یہاں تک کہ یہودی ریاست کا خاتمہ ہو جائے اور مسلمانوں کا علاقہ اس سے پاک ہو جائے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾ (النساء:141)

"اور اللہ تعالیٰ نے ہرگز کافروں کو مؤمنوں پر کوئی راستہ (اختیار یا غلبہ) نہیں دیا۔"

اور ارشاد ہے:

﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَااعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾ (البقرة:194)

"جو تمہارے خلاف جارحیت کا ارتکاب کرے تو تم بھی اس پر حملہ کرو جیسا کہ انہوں نے تم پر حملہ کیا"۔

اور ارشاد فرمایا:

﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ﴾ (البقرة:191)

"اور جہاں پاؤ انہیں قتل کرو اور انہیں وہاں سے نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے"

5) ریاستِ خلافت کے لیے کسی ملک کے ساتھ فوجی معاہدے کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ مشترکہ دفاعی معاہدہ، باہمی سلامتی کا معاہدہ، اور اسی طرح انہیں فوجی سہولتیں یا اڈے یا ائیر پورٹ

یا بندر گاہیں وغیرہ فراہم کرنا۔ مسلمانوں کے لیے کافر ممالک کے ساتھ اس قسم کے معاہدے کرنا حرام ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے لیے کفریہ ریاستوں سے مدد طلب کرنا یا ان سے فوجی مدد مانگنا یا ان سے قرض حاصل کرنا جائز نہیں۔

ایسے معاہدات کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے لیے کفر کے جھنڈے تلے لڑنا یا کفر کی خاطر لڑنا یا کفریہ ریاست کے لیے لڑنا یا کفار کا مسلمانوں کے علاقوں پر اتھارٹی ہونا یا مسلمانوں کی سرزمین پر اتھارٹی ہونا جائز نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو کافر ریاستوں سے مدد حاصل کرنے سے منع کر دیا، جب آپؐ نے کافروں کی آگ سے روشنی حاصل کرنے سے منع فرمایا۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

(لَا تَسْتَضِيْئُوْا بِنَارِ الْمُشْرِكِيْنَ)

"مشرکوں کی آگ سے روشنی مت لو"۔ (رواہ احمد)

یہاں (النار) آگ سے مراد (الحرب) جنگ ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد بھی فرمایا:

(فَإِنَّا لَا نَسْتَعِيْنُ بِمُشْرِكٍ)

"میں کسی مشرک سے مدد نہیں مانگتا" (صحیح ابنِ حبان)

اور مسلمانوں کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ اپنے مسائل کفار کے حوالے کریں کہ وہ ان مسائل کو حل کریں، مثلاً کوئی مسئلہ امریکہ، روس، برطانیہ یا فرانس کے حوالے کریں۔ کیونکہ

کافر ممالک یا ان کی فوج کی مدد حاصل کرنے سے یا اپنے مسائل ان کے پاس لے جانے سے، مسلمان ممالک پر ان کا اثر و نفوذ اور تسلط قائم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس بات سے منع فرمادیا ہے کہ کفار کو مسلمانوں کے اوپر غلبہ حاصل ہو۔

جہاں تک ان ممالک سے قرض یا معاشی مدد حاصل نہ کرنے کا تعلق ہے، تو یہ اس وجہ سے ہے کہ ان قرضوں سے مسلمانوں کے خلاف کفار کا مفاد پورا ہوتا ہے اور یہ سود ہونے کی وجہ سے بھی حرام ہے۔ اور یہ قرض اور امداد ان ممالک کے مسلمانوں اور ان کے علاقوں پر تسلط حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، جو اس شرعی قاعدے کی وجہ سے حرام ہے: (الوسیلة الی الحرام محرمة) "حرام کا ذریعہ بننے والی چیز بھی حرام ہے۔"

6) اسی طرح مسلمانوں کے لیے بین الاقوامی تنظیموں کا ممبر بننا بھی جائز نہیں، مثلاً اقوامِ متحدہ، عالمی بینک، یا عالمی ترقیاتی ادارہ وغیرہ۔ کیونکہ یہ تنظیمیں ان بنیادوں پر قائم ہیں، جو اسلامی احکامات سے متصادم ہیں۔ اسی بنا پر مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ علاقائی تنظیموں اور اتحادوں میں شمولیت اختیار کریں، جیسا کہ عرب لیگ، اسلامی کانفرنس کی تنظیم، مشترکہ دفاع کا اتحاد۔

علاوہ ازیں یہ تنظیمیں عالمی طاقتوں خصوصاً امریکہ کی آلۂ کار ہیں۔ ان کے ذریعے وہ اپنے مفادات کو حاصل کرتا ہے۔ اور یہ کافروں کے اسلامی ممالک میں اثر ورسوخ حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ لہٰذا ان میں شمولیت شرعاً جائز نہیں۔ کیونکہ حرام کا ذریعہ بھی حرام ہے۔

اسی طرح مسلمانوں ممالک کی علاقائی تنظیموں میں شمولیت بھی جائز نہیں، جو اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ مسلمانوں کے علاقے ایک ریاست کی شکل میں وحدت اختیار نہ کریں اور ممالک کی شکل میں تقسیم رہیں۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین